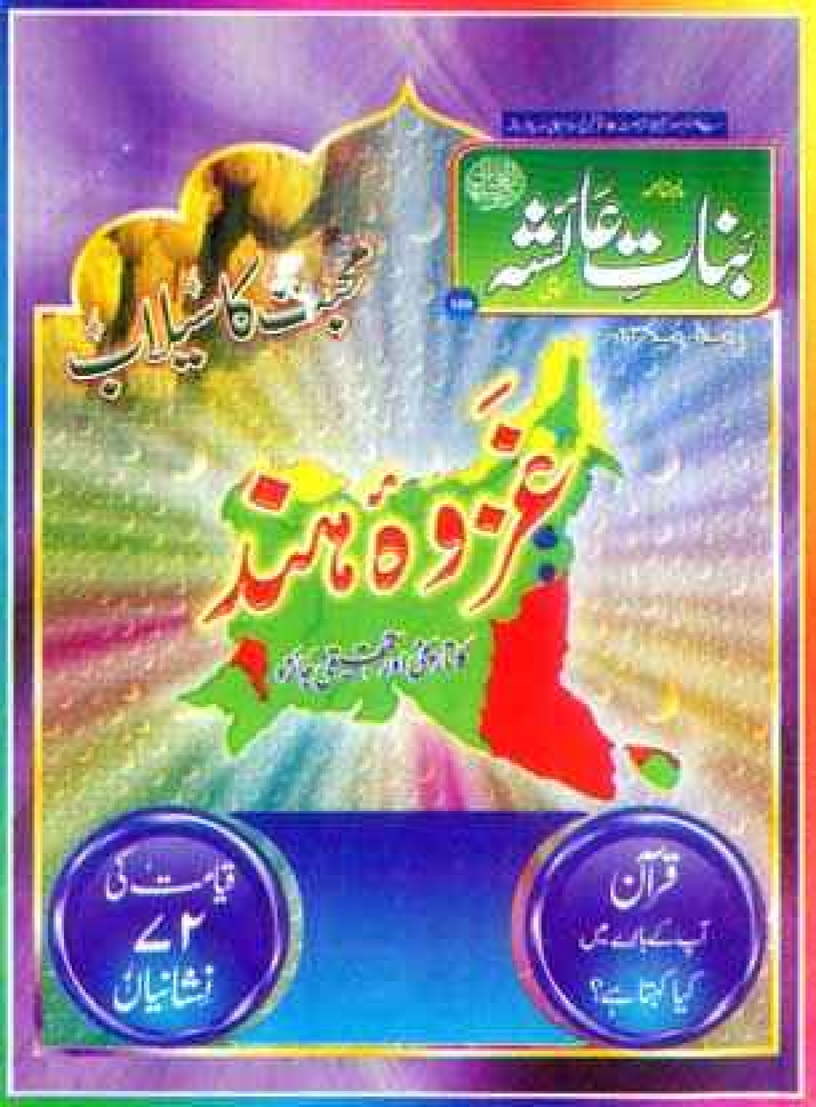

بنات عائشہ
جنت کا پیالہ
غزوۂ ہند
قیامت کی ۴ نشانیاں
قرآن آپ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟



غزوۂ ہند
کا تاریخی اور تحقیقی جائزہ

محمد منصور احمد

**احادیث مبارکہ غزوۂ ہند کے تاریخی واقعات
اور مختصر تاریخ کشمیر پر مشتمل دلچسپ تحریر**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی راہنمائی کیلئے بہت سی پیش گوئیاں فرمائی ہیں، جن میں سے کچھ کو ہم سے پہلے ماضی کے لوگ پورا ہوتے ہوئے دیکھ چکے ہیں جیسے عیسائیوں کے دارلحکومت قسطنطنیہ کی فتح اور کئی پیشن گوئیاں ایسی ہیں جنہیں آج ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں مثلاً قتل وقتال کا عام ہونا اور بڑی بڑی عمارتیں بنانا۔ یقیناً بہت سی پیشن گوئیاں ایسی بھی ہیں جنہیں شاید ہم اپنی زندگی میں پورا ہوتا ہوا نہ دیکھ سکیں مگر ہمارے بعد آنے والے لوگ ان کو پورا ہوتا ہوا دیکھیں گے۔ جیسے امام مہدی کا ظہور، خروج دجال اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول۔

ان تمام پیش گوئیوں کا تعلق علاماتِ قیامت سے ہے اور اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ان کی تفاصیل موجود ہے۔ ہمارا موضوع اس وقت ہندوستان کے جہاد کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشادات اور اس کے تاریخی تسلسل کی طرف چند اشارات ہیں۔

سنن نسائی میں امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں "غزوۃ الھند" کا مستقل عنوان قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت مندرجہ ذیل دو احادیث نقل فرمائی ہیں:

(۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: وعدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم غزوة الهند فان ادرکتها انفق فیها نفسی و مالی فان اقتل کنت من افضل الشهداء و ان ارجع فانا ابو هریرة المحرر

(حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ہندوستان میں ہونے والے جہاد میں شرکت کا وعدہ لیا۔ پس اگر میں اس کو پاؤں گا تو اس میں اپنی جان اور اپنا مال لگا دوں گا۔ پھر اگر میں مارا گیا تو میں افضل ترین شہیدوں میں سے ہوں گا اور اگر میں زندہ واپس لوٹ آیا تو میں جہنم سے آزاد شدہ ابوہریرہ ہوں گا)

اس حدیث پاک سے غزوۂ ہند یعنی ہندوستان پر ہونے والے جہاد کی کتنی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقدس صحابہ کرامؓ سے اس میں شرکت کا وعدہ لے رہے ہیں کہ تم میں سے جو بھی اسے پائے وہ اس میں اپنی جان اور اپنا مال کھپا دے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ انعام ملے گا کہ وہ اگر اس جہاد میں کام آ گیا تو وہ بہترین شہیدوں میں سے شمار ہوگا اور اگر بچ گیا تو جہنم سے آزادی کا پروانہ اس کے پاس ہوگا۔

علامہ ابو الحسن سندھیؒ اپنے حاشیہ نسائی میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ تمام اہل ایمان کے ساتھ یہ ہی وعدہ ہے کہ اگر وہ ہندوستان کے جہاد میں شرکت کریں گے تو انہیں یہ فضیلت نصیب ہوگی اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس جہاد میں اپنی شرکت کے بارے میں شک تھا' یقین نہیں کیونکہ اگر یہ وعدہ ان کے ساتھ خاص ہوتا تو انہیں اپنی شرکت کا یقین ہونا چاہیے تھا۔

(۲) عن ثوبان مولی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم عصابتان من امتی احرزهما الله من النار عصابة تغزو الهند و عصابة تکون مع عیسی ابن مریم علیهما السلام

(رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے بچا لیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان سے جنگ کرے گی اور ایک وہ جماعت جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہوگی)

اس حدیث پاک نے اس بات کومزید واضح کر دیا کہ غزوۂ ہند کی فضیلت ہر اس شخص کیلئے عام ہے جو اس میں شریک ہو۔

قارئین کرام! آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی یہ بشارتیں ملاحظہ فرمائیں اور ایسی ہی وہ بشارتیں تھیں جن کے حصول کیلئے حضرات صحابہ کرامؓ نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی اور اپنا تن من دھن قربان کر دیا تھا۔ میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جہاد قسطنطنیہ میں شرکت کی فضیلت سنی تو زندگی کے آخری دن تک اس میں شریک رہے اور انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے جہاں تک مسلمانوں کا لشکر کفار کی سرزمین پر پیش قدمی کرے وہاں مجھے دفن کیا جائے۔ اسی طرح ایک خاتون صحابیہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بحری جہاد کی فضیلت سنی تو فوراً درخواست کی کہ یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی ان خوش بخت لوگوں میں شامل فرمائے۔ آپ ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی اور ان کو خوشخبری دی کہ تم بھی ان میں سے ہو گی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں یہ اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحری جہاد میں شریک ہوئیں جب کنارے پر پہنچیں تو آپ کی سواری کا جانور زور سے بدکا اور آپ نے اس سے گر کر شہادت پائی۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں پر یقین کی ہی وہ دولت تھی جس نے دنیا بھر کی صعوبتیں اور مشکلات ان حضرات کیلئے آسان کر دی تھیں اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے قدموں میں آ گری تھیں۔

غزوۂ ہند کی احادیث مبارکہ جہاں ایک طرف اس مبارک اور مقدس جہاد میں شرکت کرنے والے خوش بخت لوگوں کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہیں وہاں یہ اس بات کی بھی کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ جہاد کے عمل نے قیامت تک کیلئے جاری رہنا ہے اور بعض متجد دین کا یہ کہنا کہ جہاد اور قتال صرف دور رسالت ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا یا حضرات صحابہ کرامؓ صرف چوروں اور ڈاکوؤں سے بچنے کیلئے اپنے پاس اسلحہ رکھتے تھے محض بلا دلیل گمراہی ہے اور اس کا مقصد امت مسلمہ کو اپنے دفاع سے غافل کرنا ہے۔

ہندوستان پر ہونے والے جہاد کو بہت سے علماء نے علامات قیامت میں سے بھی شمار کیا ہے۔ علاماتِ قیامت کے بارے میں لکھی گئی قدیم کتاب "الفتن" کے مصنف نعیم بن حماد مروزیؒ نے اس بارے میں کئی احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں صرف ایک حدیث پاک ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

یغزو قوم من امتی الهند فیفتح الله علیهم حتی یاتو ا بملوک الهند مغلو لین فی السلاسل یغفر الله لهم ذنو بهم فینصرفون الی الشام فیجدون عیسی بن مریم بالشام (الفتن ۱/۴۱۰)

(میری امت میں سے ایک قوم ہندوستان پر جہاد کرے گی پس اللہ تعالیٰ ہندوستان کے خلاف ان کو فتح نصیب فرمائیں یہاں تک کہ وہ ہندوستان کے بادشاہوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کے

گناہوں کو بخش دیں گے پھر جب یہ لوگ شام کی طرف واپس جائیں گے تو حضرت عیسی بن مریم علیہا السلام کو وہیں شام میں پائیں گے)

ہندوستان پر ماضی میں کئی مرتبہ جہاد ہو چکا ہے جس کی کچھ تفصیلات آپ آگے چل کر اسی مضمون میں پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہاں حدیث میں کونسا جہاد مراد ہے اگر آئندہ پیش آنے والا کوئی جہاد مراد ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کہ ممکن ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بالکل قریب واقع ہو اور جب مجاہدین فتح یاب ہوں تو ان کے شام پہنچنے تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو چکا ہو اور اگر اس حدیث میں مراد ماضی کا کوئی جہاد ہند ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرنے والا خود یہ لشکر نہیں بلکہ اس جہادی لشکر کی نسل میں سے کوئی گروہ ہوگا جو شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شرف ملاقات حاصل کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہرحال اس حدیث پاک سے ہندوستان پر جہاد کرنے والوں کیلئے بخشش و مغفرت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے حضرات صحابہ کرامؓ نے چونکہ یہ بشارتیں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنیں اس لیے ان کے دلوں میں غزوۂ ہند میں شرکت کا کس قدر شوق اور جذبہ تھا، اس کا اندازہ لگانے کیلئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ہند کی فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"ان انا ادركت تلك الغزوة بعت كل طارف لي وتا لد و غزو تها فاذا فتح الله علينا والنصر فنا فانا ابو هريرة المحرر يقدم الشام فيجد فيها عيسى بن مريم فلأحرصن ان ادنو منه فاخبره أني قد صحبتك يارسول الله "

(اے اللہ کے رسول! اگر میں نے اس جنگ کا زمانہ پالیا تو میں اپنی ملکیت میں موجود ہر نئی اور پرانی چیز بیچ دوں گا اور اس میں شریک ہوں گا، پس جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح دیں گے اور ہم واپس ہوں گے تو میں جہنم سے آزاد کردہ ابو ہریرہ ہوں گا جو شام پہنچے گا تو وہاں حضرت عیسیٰ بن مریم کو پائے گا۔ پس میں اس بات کی ضرور آرزو اور کوشش کروں گا کہ میں ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے قریب ہوں اور انہیں بتاؤں کہ میں نے آپ کے پاس رہنے کا شرف بھی حاصل کیا ہے)

یہ بات سن کر آپ ﷺ مسکرا پڑے اور پھر فرمایا:
یہ ابھی بہت دور کی بات ہے (الفتن ۱/۴۰۹)

ان احادیث مبارکہ کے ذکر بعد اب ہم ہندوستان میں مختلف ادوار اور زمانوں میں پیش آنے والے جہاد کا مختصر احوال تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کے درخشاں ماضی کی کچھ جھلکیاں ہمارے قارئین دیکھ سکیں گے۔ اس کے بعد آخر میں ہم مختصر طور پر خطۂ کشمیر کی مختصر تاریخ بیان کریں گے۔ تاکہ ایک طرف تو آجکل برپا ''غزوۂ ہند'' کا تاریخی پس منظر سامنے آجائے اور دوسری طرف ہمیں یہ احساس بھی ہو کہ جہاد کشمیر ہمارے لیے شرعی، اخلاقی اور قومی اعتبار سے کتنا ناگزیر اور ضروری ہے۔



غزوۂ ہند کی تاریخی شخصیات

دلچسپ واقعات اور ایمان افروز حالات

دنیا کے مختلف گوشوں میں مسلمانوں نے جو حکومتیں قائم کیں ان میں ہندوستان کی اسلامی حکومت کی تاریخ بھی نہایت اہم اور عبرت انگیز ہے وہ اس سرزمین پر کم وبیش آٹھ سو سال تک حکمران رہے لیکن پھر انقلاب کی بادِ تیز وتند کا ایک ایسا جھونکا آیا جس نے ان کی شمع اقبال کو اس ملک میں بالکل خاموش کر دیا اور آج تک وہی عالم باقی ہے۔

یوں تو ہندوستان پر مسلمانوں کے بحری حملے حضرت عمرؓ کے زمانے میں سے ہی شروع ہو گئے تھے چنانچہ بحرین کے گورنر عثمان بن ابی العاصؓ نے عمان کے راستہ ساحل ہند کی طرف ایک لشکر روانہ کیا جو بمبئی کے علاقہ میں تانہ (تھانہ) تک آیا لیکن بعد میں حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور عثمان کو لکھا کہ اگر اس مہم میں بیڑا کے مسلمانوں کو نقصان پہنچ جاتا تو میں اس کا بدلہ تیری قوم سے لیتا، علاوہ بریں عثمان نے اپنے بھائی الحکم کو بھڑوچ اور دوسرے بھائی مغیرہ کو دیبل بھی بھیجا تھا، جہاں ان کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اور کامیاب رہے پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور عبداللہ بن عامر کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو آپ نے ان کو لکھا کہ ہندوستان کسی ایسے شخص کو بھیجو جو اس کے حالات سے واقف ہو اور وہاں کی خیر خبر لے کر آئے، عبداللہ بن عامر نے اس کام کے لئے حکیم بن جبلہ العدوی کو چنا، چنانچہ جب وہ ہندوستان سے واپس آئے تو انہیں دربار خلافت میں روانہ کر دیا گیا، یہاں حکیم بن جبلہ نے حضرت عثمانؓ سے ہندوستان کے حالات کچھ اس طرح بیان کئے کہ آپ نے کسی لشکر کو اس طرف بھیجنا

مناسب خیال نہیں کیا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانوں میں بھی سندھ کی سرحد پر مکران اور قیقان بلکہ بنوں اور لاہور تک اسلامی دستوں کے آنے اور جنگ کر نے کے واقعات کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کو صرف ایک طرح کی چھیڑ چھاڑ ہی کہا جا سکتا ہے۔ باقاعدہ حملہ اور فتح خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں مشہور اسلامی جرنیل محمد بن قاسم کے زیر قیادت ہوئی۔

محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ:

اس حملہ کی کیفیت اور اس کے اسباب کی تفصیل یہ ہے کہ سندھ کا راجہ داہر پہلے سے ہی مسلمانوں سے بڑا بیر رکھتا تھا چنانچہ جن عربوں نے مکران کے گورنر سعید بن اسلم کو قتل کیا تھا راجہ داہر نے انہیں اپنے ہاں پناہ دے کر اپنے تعصب پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی اس کے چند سال بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ لنکا کے راجہ نے جو مسلمانوں سے دوستی پیدا کرنے کا خواہش مند تھا عراق کے مشہور اموی گورنر حجاج بن محمد بن یوسف الثقفی کے لئے چند جہاز روانہ کئے جو نوع بنوع تحائف وہدایا سے لدے ہوئے تھے اور جن میں حاجی مسلمانوں کے علاوہ ان عرب تاجروں کی عورتیں اور بچے بھی سوار تھے جو لنکا میں انتقال کر گئے تھے۔ اتفاقاً یہ جہاز دیبل پہنچ گئے جو راجہ داہر کے ماتحت تھا یہاں بحری ڈاکوؤں نے ان جہازوں کا تمام مال واسباب لوٹا اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت برہم ہوا اور اس نے داہر کو لکھا کہ گرفتار شدہ عورتوں اور بچوں کو فوراً رہا کر دے اور جو سامان لوٹ لیا گیا ہے وہ ڈاکوؤں سے چھین کر ہمارے پاس بھیج دیا جائے داہر نے جواب دیا یہ سب کچھ دریائی ڈاکوؤں کا کیا کرایا ہے۔ میرا ان پر کچھ بس نہیں ہے۔ داہر کی اسلام دشمنی تو پہلے سے ہی ظاہر تھی اس جواب نے حجاج کو اور برافروختہ کر دیا اور اب اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ سندھ کو فتح کر کے راجہ کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

چنانچہ اب اس نے دربار خلافت سے اجازت لے کر عبیداللہ بن نبہان کو ایک لشکر کے ساتھ دیبل روانہ کیا ، لیکن ان کو کامیابی نہ ہو سکی اور قتل کر دیئے گئے اس کے بعد حجاج نے بدیل بن طہفہ البجلی کو دیبل روانہ کیا لیکن بد قسمتی سے ان کا گھوڑا بدک کر بھاگا تو دشمنوں نے انہیں گھیر لیا اور قتل کر دیا۔ اب حجاج نے اپنے نوجوان چچا زاد بھائی اور داماد محمد بن قاسم کو جو اس وقت ایران میں مقیم تھا۔ اس خدمت کے لئے چنا اور بڑے ساز وسامان اور ایک لشکر گراں کے ساتھ جس میں چھ ہزار شامی اور دوسرے لوگ تھے سندھ کی مہم کو سر کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

محمد بن قاسم روانہ ہو کر پہلے مکران آیا۔ چند روز یہاں قیام کرنے کے بعد روانہ ہوا اور قنز بور پہنچا۔ پھر اس کو فتح کر کے آگے بڑھا اور ارمائیل آیا۔ اس کو سر کرنے کے بعد دیبل کا رخ کیا جو ٹھٹھہ سے جنوب مغرب کی جانب چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک بندرگاہ تھی۔ یہ مقام راجہ داہر کے زیر نگیں تھا۔ محمد بن قاسم خود خشکی کے راستہ آیا تھا۔ لیکن ایک بڑا لشکر کثیر ساز وسامان کے ساتھ بحری راستہ سے بھی آرہا تھا۔ دیبل میں ان دونوں کی ملاقات ہو گئی یہاں پہنچ کر اسلامی لشکر نے اپنے جھنڈے نصب کر دیے اور جنگ کی تیاری شروع کر دی دیبل میں ایک بڑا مندر تھا۔ جس پر ایک اونچی لاٹ میں سرخ جھنڈا لگا ہوا

تھا۔ یہ پھریرا اتنا بڑا تھا کہ مورخ بلاذری کے بیان کے مطابق جب ہوا چلتی تھی تو گھومنے لگتا تھا اور شہر کو محیط ہو جاتا تھا۔ محمد بن قاسم نے اس لاٹ کو اس طرح منہدم کیا کہ ایک منجنیق جس کو پانچ سو آدمی کھینچتے تھے۔ اس کو ایک جگہ نصب کردیا گیا اور مشرقی جانب سے اس کا ایک پایہ نکلوادیا۔ اب منجنیق ٹیڑھی اور ترچھی ہوگئی تو محمد بن قاسم نے اس کے انچارج کو منجنیق کے سر کرنے کا حکم دیا نشانہ ٹھیک جاکر لگا اور لاٹ ٹوٹ گئی اس واقعہ نے راجہ داہر اور اس کے تمام ساتھیوں کو حد درجہ مشتعل اور غضب ناک کر دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے میدان جنگ میں پہنچ کر خوب داد شجاعت دی۔ لیکن آخر کار انہیں شکست فاش ہوئی اور دیبل بزور شمشیر فتح کرلیا گیا فتح کے بعد اسلامی لشکر نے اسلام کے مقرر کئے ہوئے احکام وضوابط کی پابندی کا کچھ خیال نہیں رکھا۔ بلاذری میں ہے کہ فتح کے بعد محمد بن قاسم نے تین روز تک یہاں مقیم رہ کر قتل عام جاری رکھا اور انتہا یہ ہے کہ مندر کے پجاریوں تک کو بھی اس عموم سے مستثنیٰ نہیں رکھا گیا۔

دیبل کی فتح نے دشمنوں کی ہمت اتنی پست کردی کہ اس کے بعد محمد بن قسم نے قلعہ نیرون اور سہوان وغیرہ جس کسی مقام کا رخ کیا جنگ کئے بغیر ہی اسے فتح کرلیا یہاں تک کہ جب وہ مہران پہنچا تو اب راجہ داہر نے بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاری کی۔ ادھر محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب کی قیادت میں سدوسان کی طرف ایک لشکر روانہ کردیا۔ یہاں کے لوگ اتنے خوف زدہ تھے کہ چند پجاریوں کے واسطے سے انہوں نے مسلمانوں سے صلح کرلی اور اس طرح یہ علاقہ بھی جنگ کے بغیر ہی مفتوحات میں شامل ہوگیا۔ محمد بن مصعب جب اس مہم سے واپس آیا تو اس کے ساتھ چار ہزار جاٹ بھی تھے جو سب کے سب محمد بن قاسم کی فوج میں شریک ہوگئے اب اسلامی فوج کے سپہ سالار اعظم محمد بن قاسم نے تلہٹ کے پاس سے دریائے سندھ کو عبور کرکے دارالسلطنت کا رخ کیا ادھر راجہ داہر کو اس کی اطلاع ہوئی تو بڑے ساز و سامان کے ساتھ اس نے ایک لشکر روانہ کیا کولاب گیری کے مقام پر دونوں کی معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں داہر کی فوج کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اب محمد بن قاسم نے شہر الور کا ارادہ کیا۔ جہاں داہر قلعہ بند ہوکر بیٹھ رہا تھا اور جاتے ہی قلعہ کا محاصرہ کرلیا یہ محاصرہ دس روز تک رہا۔ اس مدت میں سات مرتبہ لڑائی ہوئی اور ہر بار اسلامی فوج کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی آخر کار جمعرات کے دن ۱۰ ماہ رمضان المبارک ۹۳ھ کو راجہ داہر خود قلعہ سے اس تزک واحتشام کے ساتھ نکلا کہ اس کے جلو میں دس ہزار جوشن بند سوار اور تیس ہزار پاپیادہ سپاہی تھے ان کے علاوہ لشکر میں کوہ پیکر ہاتھیوں کا بھی ایک دستہ تھا جو مست وخراماں میدان جنگ میں چلتا تھا تو زمین دہل جاتی تھی ایک ہاتھی پر جو خاص اہتمام سے آراستہ وپیراستہ کیا گیا تھا عماری میں خود داہر سوار تھا کہتے ہیں اس وقت اس کے پہلو میں دو پری چہرہ لونڈیاں بھی تھیں۔ جن میں ایک اسے شراب کا جام پیش کرتی تھی اور دوسری پان کا بیڑہ دیتی تھی۔

اب دونوں طرف فوجیں صف آرا ہوگئیں اور جنگ کا آغاز ہوا دن بھر بڑے گھمسان کا رن پڑا رہا۔ داہر کی فوج اپنی طاقت وقوت اور ساز وسامان کی کثرت کے گھمنڈ میں آگے بڑھ بڑھ کر بے پناہ حملہ کرتی تھی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا لشکر تھا کہ پتھر کی چٹان بنا

کھڑا تھا اور وہ دشمن کے ہر حملہ کو پسپا کر دیتا تھا۔ آخر کار شام ہونے لگی تو محمد بن قاسم ایک دستہ فوج کو ساتھ لے کر خود اس لشکر کی جانب بڑھا جو ہاتھیوں کے سامنے تھا اسی اثناء میں مسلمانوں کے ایک دستے نے آتش بازی چھوڑنی شروع کر دی جس سے تمام ہاتھی بدک کر بھاگے اور اس طرح دشمن کی افواج میں سخت سراسیمگی اور ابتری پیدا ہو گئی اسی ہنگامہ میں مسلمانوں کی طرف سے داہر کے گلے میں ایک ایسا تیر آ کر لگا جس نے اسی وقت اس کا خاتمہ کر دیا۔ داہر کے قتل کے بعد شکست خوردہ لشکر برہمن آباد (بہمن آباد) چلا گیا تھا محمد بن قاسم نے وہاں تک اس کا تعاقب کیا اور آخر کار جنگ کے بعد اسے بھی فتح کر دیا اب پورا سندھ اسلامی علم حکومت کے زیر سایہ آ چکا تھا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم نے ملتان کا ارادہ کیا جسے اس زمانہ میں دولت و ثروت کی افراط کے باعث ''بیت خرج الذہب'' سونے کا گھر کہا جاتا تھا اور جہاں ایک بڑا بت خانہ بھی تھا مسلمانوں کو اس جنگ میں بڑے شدائد کا مقابلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ ان کا سامان رسد ختم ہو گیا تو گدھے کھا کھا کر گذر اوقات کی۔ لیکن با ایں ہمہ وہ بڑی پامردی اور ثابت قدمی و استقلال سے لڑے نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس مہم کو بھی سر کر لیا۔

محمد بن قاسم کا انجام :

محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان کو فتح کر کے جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا تھا وہ کسی طرح موسیٰ بن نصیر اور طارق کے فتح اندلس سے کم اہم نہیں تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر اس وقت خلافت کے تخت پر کوئی خلیفۂ راشد متمکن ہوتا اور مسلمان خاندانی اور قبائلی عصبیت کا شکار نہ ہو گئے ہوتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ آج ہندوستان بھی مصر، شام اور عراق و فلسطین کی طرح اسلامی ملک نہ ہوتا۔ محمد بن قاسم کو ابھی ہندوستان آئے چار برس بھی نہ ہوئے تھے کہ ولید بن عبدالملک کا ۹۶ھ میں انتقال ہو گیا اور اسکا بھائی سلیمان خلیفہ ہوا۔ سلیمان بعض معاملات کی وجہ سے حجاج کا دشمن تھا۔ اب اس نے بااختیار ہوتے ہی حجاج کے عزیزوں قریبوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔ محمد بن قاسم حجاج کا چچیرا بھائی اور داماد تھا۔ اس بنا پر وہ بھی سلیمان کے جذبہ انتقام کی زد سے نہ بچ سکا۔ چنانچہ سلیمان نے عنان اقتدار ہاتھ میں لیتے ہی یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا اور محمد بن قاسم کو صرف یہی نہیں کہ اس منصب سے معزول کر دیا۔ بلکہ حکم دیا کہ اس کو پابزنجیر لایا جائے۔ عراق پہنچنے پر یہاں کے گورنر صالح بن عبدالرحمٰن نے دربار خلافت کے ایماء سے اسے شہر واسط میں محبوس کر دیا اور آخر کار طرح طرح کی تکلیفیں دینے کے بعد آل ابن عقیل کے ایک گروہ کے ساتھ نوجوان فاتح سندھ کو بھی قتل کر دیا گیا۔

سندھ کے راجاوں کا قبول اسلام :

محمد بن قاسم کے بعد یزید بن ابی کبشہ سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔ لیکن ابھی اس کو یہاں آئے اٹھارہ دن ہی ہوئے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ اب حبیب بن المہلب کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا لیکن اس کے سندھ پہنچتے پہنچتے یہاں کے راجا مہاراجا اپنے اپنے علاقوں پر از سر نو قابض ہو چکے تھے۔ چنانچہ داہر کا بیٹا جیشہ برہمن آباد واپس آ گیا تھا۔ اسی اثناء میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (از ۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) سریر آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت، خلافت راشدہ کے منہاج پر تھی اور فتوحات کا مقصد ملک

گیری اور دولت اندوزی نہ تھا اس بنا پر آپ نے راجگان ہند (سندھ) کو تبلیغی خطوط لکھے اور ان کو اسلام قبول کر لینے کی دعوت عام دی۔ ان لوگوں کو خلیفہ اسلام کے اخلاق وعادات کی اطلاع پہلے ہی ہو چکی تھی اس بنا پر ان میں سے متعدد راجاؤں نے جن میں داہر کا بیٹا جیشہ بھی تھا۔ اس دعوت پر لبیک کہا اور اپنے نام بھی عربی ہی رکھ لیے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد باقی خلفائے بنی امیہ کے عہد میں بھی خلافت کی طرف سے گورنر مقرر ہو ہو کر سندھ آتے رہے لیکن کوئی غیر معمولی اور قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ) کے عہد میں جنید بن عبدالرحمٰن المری سندھ کا گورنر ہوا۔ یہ بڑا حوصلہ مند، باہمت اور فیاض طبع تھا۔ اس نے سندھ کا معقول بندوبست کر کے دوسرے علاقوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے ایک لشکر اجین اور ایک لشکر احبیب بن مرہ کی سرکردگی میں مالودہ کی طرف روانہ کیا۔ علامہ بلاذری کے بیان کے مطابق ان دونوں جگہوں سے مال غنیمت تو بہت کچھ حاصل ہوا لیکن غالباً ان کو فتح نہیں کیا جا سکا۔ آخری اموی گورنر منصور بن جمہور الکلبی تھا جو مروان الحمار (از ۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ) کے عہد میں سندھ آیا اور کہا جاتا ہے کہ یہاں کا مشہور شہر "منصورہ" اسی کا آباد کیا ہوا تھا۔ منصور کے عہد گورنری میں اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور اب ۱۳۲ھ میں عباسی برسر اقتدار آئے تو ان کی طرف سے سندھ کے گورنر مقرر ہو کر آتے رہے۔

سندھ خلافتِ عباسیہ میں:

ان گورنروں میں سب سے زیادہ باحوصلہ ہشام بن عمرو التغلبی تھا جو ابوجعفر منصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) کے عہد میں سندھ کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اس نے یہاں پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ جو علاقے فتنہ پردازوں کی فساد انگیزی کے باعث مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے تھے۔ ان پر دوبارہ قبضہ کیا۔ پھر کشتیوں کا ایک بیڑا لے کر بھڑوچ کے قریب کندھار نامی ایک جگہ پر حملہ آور ہوا۔ یہاں سے بجانب شمال پلٹا تو کشمیر پر دھاوا بول آیا اور یہاں اسے بہت کچھ مال غنیمت ہاتھ لگا۔

مامون رشید کے زمانہ تک سندھ میں عرب مسلمانوں کا وقار قائم رہا۔ معتصم باللہ کے عہد میں ان میں پھوٹ پڑ گئی اور نزاریوں اور یمنیوں میں عصبیت جاہلیہ کی آتش خانماں سوز بھڑک اٹھی اس زمانہ میں عمران بن موسیٰ سندھ کا گورنر تھا۔ عمران کا میلان یمنی عربوں کی طرف تھا اس پر نزاری اس سے ناراض تھے اب یہاں کے موروثی خاندان ہباری کو پھر ابھرنے کا موقع ملا چنانچہ ایک روز عمر بن عبدالعزیز الہباری نے موقع پا کر عمران کا خاتمہ کر دیا اس کے بعد واثق باللہ اور متوکل کے زمانہ میں بھی دربار خلافت کی طرف سے سندھ کے گورنر مقرر ہو کر آتے رہے لیکن اب اس دور افتادہ ملک کا خلافت سے تعلق محض برائے نام رہ گیا تھا۔

۲۴۰ھ میں ہباری خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا۔ ۲۹۰ھ میں ملتان کے ایک خاندان بنوسامہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور اب ملتان اور منصورہ دو آزاد ریاستوں میں تقسیم ہو گئے۔

بہر حال امیر محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں صحرائے سندھ میں جو پودا لگایا تھا اس کی شاخیں ملتان تک ہی دراز ہو کر رہ گئیں اور باہمی نا اتفاقی

کی بادِسموم نے آخر کار اسے بھی خشک کر دیا البتہ درۂ خیبر کے راستہ سے اسلام کا جو سرچشمہ فیض ہندوستان میں داخل ہوا۔ اس نے دور دور تک کے علاقوں کو سیراب کیا اور تقریباً آٹھ سو سال اسی کے اثرات قائم رہے۔

امیر سبکتگین :

شمال مغربی ہند کے راستہ سے اسلام کا جو سب سے پہلا قافلہ ۹۸۰ء لگ بھگ اس ملک میں داخل ہوا، اس کے میر کارواں ہونے کا فخر دولت غزنویہ کے فرماں روا امیر سبکتگین کی قسمت میں لکھا تھا اس آمد کی تقریب بھی خود یہاں کے راجہ جے پال کے عمل سے پیدا ہوئی جو پنجاب اور کابل و پشاور کا حکمراں تھا۔ غالباً امیر سبکتگین کے جذبہ جہاد سے خوف زدہ ہو کر پیش بندی کے خیال سے کوہ پیکر ہاتھیوں اور ایک لشکر جرار کے ساتھ ۳۶۹ھ مطابق ۹۷۹ء کے اواخر میں اس نے اسلامی سلطنت کی طرف پیش قدمی کی۔ امیر سبکتگین کو اس چڑھائی کا علم ہوا تو وہ بھی اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ لغمان میں جنگ ہوئی ۔ کئی روز کی مسلسل شدید معرکہ آرائی کے بعد جے پال نے صلح کی درخواست پیش کی ۔ اس معرکہ میں امیر سبکتگین کے ساتھ اس کا نام ور فرزند محمود جو بعد میں سلطان محمود غزنوی کے نام سے معروف ہوا۔ خورد سالی کے باوجود شریک جنگ تھا۔ اس نے صلح کی درخواست کو نا منظور کر دینے کی رائے دی۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ راجپوت اپنی ضد اور آن کے بڑے پکے ہوتے ہیں اور اس بنا پر جب دیکھتے ہیں کہ جنگ میں شکست یقینی ہے تو خود اپنے ہاتھوں سے اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیتے ہیں اور تمام مال و اسباب کو آگ لگا دیتے ہیں۔ تو اب محمود بھی صلح پر راضی ہو گیا لیکن شرائط صلح میں جن چیزوں کا غزنین بھیجنا قرار پایا تھا۔ جے پال نے لاہور پہنچ کر اسے بالکل نظر انداز کر دیا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ امیر سبکتگین کے آدمی جو جے پال کے ساتھ ان چیزوں کو لینے آئے تھے انہیں قید کر دیا اور اب یہ بچ لگائی کہ جب تک امیر میرے آدمیوں کو جنہیں میں بطور ضمانت رکھ آیا ہوں۔ مجھے واپس نہ کرے گا میں عہد نامہ کی تعمیل نہ کرونگا۔ امیر سبکتگین کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اسے بڑا طیش آیا اور ایک بھاری لشکر لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا ۔ ادھر جے پال نے دوسرے راجاؤں کی مدد سے ایک بہت بڑی فوج جمع کی۔ دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں نے خاص طور پر فوج اور روپیہ سے دل کھول کر اس کی مدد کی تھی۔ پشاور کے قریب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ یہ پہلی جنگ تھی۔ جس میں شمالی ہند کے راجاؤں کی تمام فوجی طاقت ایک اسلامی فوج سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک مرکز پر سمٹ آئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جے پال کو ہمرکابی میں اس وقت ایک لاکھ سوار اور بے شمار پیادے تھے۔

امیر نے ایک پہاڑی پر چڑھ کر اس فوج کا جائزہ لیا تو اسے اس کی کثرت تعداد اور ساز و سامان جنگ کی غیر معمولی بہتات کے باوجود اول شکستگی نہ ہوئی اور اس نے نیچے اتر کر فوجی سرداروں کے سامنے پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر کی کہ تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی اب انہوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور بد حواس ہو کر بھاگ نکلا۔ اس کے بعد جے پال سے ایک دو جھڑپیں اور ہوئیں مگر ان میں بھی اسے ناکامی سے دو چار ہونا پڑا نتیجہ یہ ہوا کہ کابل اور پشاور کا سارا علاقہ اسلامی مقبوضات میں شامل ہو گیا اور امیر اپنے ایک

نائب کو دو ہزار سواروں کے ساتھ پشاور میں چھوڑ کر اور اس نواح کے افغانی اور خلجی صحرانشینوں کو اپنا اطاعت گزار بنا کر غزنین واپس چلا گیا۔

تاریخ میں امیر سبکتگین کا نام اور اس کا کام اتنا روشن نہیں ہوا۔ جتنا کہ اس کے بیٹے سلطان محمود غزنوی کا ہے۔ حالانکہ جہاں تک حقائق اور تاریخی واقعات کا تعلق باپ کے کارنامے اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے بیٹے کے کارناموں سے کسی طرح کم اہم نہیں امیر سبکتگین پہلا فرماں روا ہے جس نے شمالی ہندوستان کے فوجی نظام اور یہاں کی متحدہ طاقت کو شکست فاش دے کر مسلمانوں کے لئے اس دروازہ سے آنے کی راہ نکالی علاوہ بریں محمد قاسم فرشتہ نے متعدد واقعات لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر اخلاق و عادات اور مزاج و طبیعت کے لحاظ سے بڑا نیک، خدا پرست اور انصاف پسند تھا۔

وفات:

امیر ناصر الدین سبکتگین نے چھپن سال کی عمر میں بلخ کے قریب موضع ترمذ میں ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ء میں وفات پائی اور غزنین میں دفن کیا گیا۔ امیر کی مدت حکومت کم و بیش بیس سال ہے۔

سلطان محمود غزنوی:

امیر سبکتگین کی وفات کے وقت ان کا بڑا بیٹا سلطان محمود نیشاپور میں تھا اس لئے مرحوم کی وصیت کے مطابق چھوٹا لڑکا امیر اسماعیل بلخ میں باپ کا جانشین ہوا۔ امیر اسماعیل نے تالیف قلوب کی بڑی کوشش کی لیکن فوج اور رعایا اس کے قابو میں نہ آتی تھی نیشاپور میں سلطان محمود کو ان واقعات کا علم ہوا تو اپنے چھوٹے بھائی کو لکھا" باپ کے انتقال کے بعد اب دنیا میں مجھے تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے لیکن قیام سلطنت اور انتظام مملکت کے لئے فرماں روا کو سن رسیدہ تجربہ کار اور صاحب سیاست ہونا چاہیے اگر تم میں یہ صفات ہوتیں تو میں تم سے زیادہ کسی اور کی اطاعت و فرماں برداری پر رضامند نہ ہوتا۔ باپ نے تم کو جو اپنا جانشین بنایا ہے تو اس کا منشا صرف مصلحت وقت اور ملک کی حفاظت تھا جو میری دوری کی وجہ سے اس وقت اور زیادہ اہم ہو گیا تھا لیکن اب مصلحت وقت یہ ہے کہ نیک و بد میں امتیاز کرو۔ انصاف کو ہاتھ سے نہ دو اور جو کچھ باپ کا متروکہ ہے۔ اسے شریعت کے مطابق تقسیم کر لو غزنین جو ہماری حکومت کا سرچشمہ ہے وہ مجھے دیدو۔ تاکہ میں بلخ و خراسان کو تمہارے حوالہ کر دوں۔

امیر اسماعیل پر اس خط کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر بھائی کی مخالفت اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ محمود نے مجبور ہو کر لشکر کشی کی۔ دونوں بھائیوں میں معرکہ کارزار گرم ہوا جس میں اسماعیل کی فوج شکست کھا کر بے تحاشا بھاگی اور غزنین میں قلعہ بند ہو گئی سلطان محمود نے ان سے عہد و پیمان کرنے کے بعد انہیں قلعہ سے نکالا ملک کے خزانہ پر قبضہ کیا اور اپنے معتبر لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کر کے خود بلخ روانہ ہو گیا۔ چند روز کے بعد امیر اسماعیل کو جرجان کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

پنجاب پر حملہ:

سلطان محمود بچپن سے ہندوستان کو فتح کرنے کی آرزو رکھتا تھا۔ چنانچہ اب اس نے ترکستان و خراسان کی مہمات سے فارغ ہو کر ہندوستان پر فوج کشی کا عزم کیا اور ۱۰۰۱ء میں غزنین سے دس ہزار سواریوں کا لشکر لے کر پشاور پہنچا۔ جے پال بھی غافل نہ تھا ایک لشکر جرار کے

ساتھ جس میں بارہ ہزار سوار تیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی شامل تھے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ دریائے اٹک کے کنارے شدید ترین معرکہ آرائی کے بعد آخر کار سلطان محمود کو فتح ہوئی اور جے پال اپنے چند عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ گرفتار ہوگیا۔ بعد میں سلطان نے اس کو اپنا باج گزار بنا کر رہا کر دیا۔ جے پال اسلامی لشکر سے دو مرتبہ شکست فاش کھا چکا تھا۔ اس لئے اس زمانہ کے ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق وہ سلطنت کا اہل نہ تھا اور آگ کے سوا کوئی اور چیز اسے اس گناہ سے پاک نہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے انند پال کو تخت و تاج کا مالک بنا کر خود نذر آتش ہوگیا۔

ملتان پر فوج کشی :

ملتان کے قریب ایک ہندو راجہ کی راج دھانی تھی جس کا نام بھاٹیہ تھا۔ اس زمانہ میں یہاں کا حکمراں بھی رائے یا بھیٹر رائے نامی بڑا مغرور و متکبر تھا۔ نہ سبکتگین کے ہندوستانی نائبوں کو نظر میں لاتا تھا اور نہ جے پال کی پوری اطاعت و فرماں برداری کرتا تھا۔ ۳۹۵ھ میں سلطان نے بھاٹیہ پر حملہ کیا۔ کئی روز کی مسلسل لڑائی کے بعد راجہ کو شکست فاش ہوئی اور قتل کر دیا گیا۔ اس کے دوسرے سال سلطان نے ملتان کے حاکم ابو الفتح کو اس کی سرکشی اور اتحاد پروری کی سزا دینے کیلئے ملتان پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ ابو الفتح کو اس کا علم ہوا تو اس نے انند پال سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ انند پال سلطان کا راستہ روکنے کے لئے لاہور سے پشاور آیا۔ اب سلطان کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ پہلے انند پال سے جنگ کی جائے چنانچہ میدان کارزار گرم ہوا۔ انند پال شکست خوردہ ہو کر کشمیر کی طرف بھاگ نکلا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر سلطان نے پھر ملتان کا قصد کیا اور ابو الفتح کو اس کے کیفر کردار کو پہنچا کر غزنین واپس چلا گیا۔

معرکۂ پشاور اور نگر کوٹ کی فتح :

۳۹۹ھ میں سلطان نے پھر ایک لشکر کثیر جمع کر کے ہندوستان پر حملہ کیا اس اثناء میں انند پال اپنی پراگندہ اور منتشر طاقت کو جمع کر چکا تھا۔ اس نے مقابلہ کے لیے بڑے پیمانہ پر تیاریاں کیں۔ اور اس کے علاوہ دوسرے راجوں مہاراجوں سے بھی مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج اور دہلی و اجمیر کے راجاؤں نے دل کھول کر مدد کی۔ پشاور کے حوالی میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں ہندو عوام میں بھی اس جنگ کی وجہ سے اس قدر جوش و خروش تھا کہ عورتوں نے زیور بیچ بیچ کر لشکریوں کی مدد کی۔ اور جو غریب تھیں۔ انہوں نے چرخہ کاٹ کر اور مزدوری کر کے پیسے بچائے اور ان سے چیزیں خرید کر لشکریوں کو بھیجیں۔

سلطان کو ہندوؤں کے اس جوش و خروش اور ان عظیم الشان تیاریوں کا علم ہوا تو اس نے لڑائی شروع کرنے میں بڑی احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیا۔ چنانچہ پہلے حکم دیا کہ لشکر کے دونوں جانب خندق کھودی جائے تا کہ کسی طرف سے ہندوؤں کا بس نہ چلے پھر لڑائی شروع ہوئی تو ایک ہزار قدر انداز آگے بڑھے اور دشمن پر تیر برساتے ہوئے ان کو اپنے لشکر سے قریب لے آئے جب مسلمان ان سپاہیوں کے مقابلہ میں آئے تو اس احتیاط کے باوجود تیس ہزار کھکھر سپاہی عین جنگ کی اس حالت میں دونوں طرف سے یورش کر کے خندق کو پھاند گئے اور اسلامی لشکر میں گھس آئے نتیجہ یہ ہوا کہ تین چار ہزار مسلمان وہیں کام آگئے۔ اسلامی فوج اس

اچانک متوقع حملہ سے سراسیمہ ہو گئی لیکن حسن اتفاق سے دفعتہً انند پال کا ہاتھی گولے اور بارود کی آواز سے بگڑ کر میدان جنگ سے بھاگا۔ اس کے سپاہی یہ سمجھے کہ راجہ نے مسلمانوں کو تیغ زنی سے ڈر کر میدان چھوڑ دیا اور راہ فرار اختیار کر لی ہے۔ اس بنا پر ان میں دل شکستگی پیدا ہو گئی اور وہ بھی بھاگ پڑے۔ مسلمانوں کے لشکر نے دو دن دو رات تک ان کا تعاقب کیا اور آٹھ ہزار کے قریب دشمن کی فوج کے سپاہیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ سلطان نے اس فتح کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ کیا اور نگر کوٹ (ضلع کانگڑہ) کے قلعہ بھیم کو سر کرنے کی غرض سے روانہ ہو گیا۔ یہ قلعہ راجہ بھیم کے زمانہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا۔ یہ قلعہ مخزن اصنام تھا۔ ہر ایک راجہ نقد روپیہ، اشرفیاں، جواہرات اور قسم قسم کی عمدہ اور بیش قیمت چیزیں بطور نذرانہ یہاں بھیجتا تھا۔ اس بنا پر اس کی دولت و ثروت کا کوئی حساب نہ تھا سلطان نے یہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اہل قلعہ نے تیسرے دن ہی قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ محمود نے ان سب کی جان بخشی کی اور قلعہ کی تمام دولت پر جو راجہ بھیم کے زمانہ سے اب تک یہاں جمع ہوتی تھی۔ قبضہ کر کے غزنین روانہ ہو گیا۔ کانگڑہ کی فتح ۴۰۰ھ مطابق ۱۰۱۰ء کا واقعہ ہے۔

تھانیسر کی فتح :

۴۰۵ھ مطابق ۱۰۱۴ء میں سلطان نے تھانیسر پر حملہ کیا اور یہاں کے مندروں اور بتوں کو منہدم کر کے اور بہت کچھ مال غنیمت لیکر غزنین واپس ہوا۔ اس کے بعد سلطان نے دہلی کو مسخر کرنے کا ارادہ کیا لیکن مشیران کار نے کہا کہ دہلی کو فتح کرنے سے پہلے پنجاب کے پورے صوبے پر قبضہ کر لینا ضروری ہے۔ اور چونکہ اس وقت انند پال کے ساتھ معاہدہ کے باعث ایسا ہونا مناسب نہ تھا اس لئے سلطان نے اس ارادہ کو ترک کر دیا کہتے ہیں کہ تھانیسر کی مہم سے فارغ ہو کر سلطان غزنین گیا ہے تو اس کے ہمراہ تقریباً دولاکھ لونڈی اور غلام تھے۔

کشمیر پر حملہ :

۴۰۶ھ میں سلطان نے کشمیر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور حدود کشمیر میں پہنچ کر قلعہ لوہ کوٹ کا جو بلندی اور مضبوطی میں مشہور تھا۔ محاصرہ کیا لیکن موسم کی شدت اور سخت برف باری کے باعث فوج یہاں زیادہ قیام نہ کر سکتی تھی اور ادھر اہل قلعہ کو کشمیر کے دارالسلطنت کی طرف سے برابر کمک پہنچ رہی تھی۔ اس بنا پر سلطان نے محاصرہ اٹھا کر غزنین کا رخ کیا۔ واپسی میں اصل راستہ سے بھٹک جانے کے باعث لشکر کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ایک بڑی تعداد ہلاک بھی ہو گئی۔

قنوج کی فتح :

۴۰۹ھ میں قنوج پر فوج کشی کی یہاں کا قلعہ نہایت مضبوط اور بلند تھا۔ پھر راجہ راجے پال کا اس زمانہ میں لوہا بھی مانا جاتا تھا۔ لیکن با ایں ہمہ اسے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔ سلطان کی خدمت میں ایلچی بھیج کر اطاعت و فرماں برداری کا عہد و پیمان کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کی تائید مستند تاریخوں سے نہیں ہوتی۔

قنوج میں تین روز قیام کے بعد سلطان نے ایک دو معرکے اور سر کیے اسی اثناء میں اس نے متھرا کی شہرت سنی تو عنان عزیمت اسی طرف موڑ دی اور بلا مقابلہ فتح کر لیا۔

فتح سومنات:

اس سے فارغ ہو کر وہ چند اور قلعوں اور کالنجر کی فتوحات میں مشغول رہا۔ یہاں تک کہ ۴۱۶ھ میں سلطان نے سومنات اور اس کے بت خانہ کی شہرت سنی اور وہ اس کو فتح کرنے کے ارادہ سے بڑے ساز وسامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ راستہ میں اجمیر اور پٹن گجرات میں بھی حملے کر کے بہت کچھ مال و اسباب حاصل کیا۔ سومنات کا قلعہ نہایت بلند اور بہت مضبوط تھا ۔ دریا کا پانی اس کی فصیل تک پہنچتا تھا لیکن مسلمان فوجی کسی طرح سیڑھیاں باندھ کر قلعہ کے اوپر پہنچ گئے اور اہل قلعہ پر چاروں طرف سے حملہ آور ہو گئے سخت ترین معرکہ آرائی کے بعد آخر کار سلطان کو عظیم الشان فتح ہوئی اور بیش قیمت اموال غنیمت ہاتھ آئے۔ حکیم ثنائی نے فتح سومنات کی تقریب پر ایک نظم لکھی تھی جس کے دو شعر یہ ہیں

کعبہ و سومنات چوں افلاک
شد ز محمود و از محمدؐ پاک
ایں زکعبہ بتان برون انداخت
آں زکیں سومنات راپر داخت

عسجدی جو محمود کے دربار کا مشہور شاعر تھا۔ اس نے بھی اس فتح کی تقریب سے ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

تاشاہ خسرواں سفر سومنات کرد
کردار خویش راعلم معجزات کرد

جس سال سلطان نے سومنات فتح کیا۔ بغداد میں خلافت عباسیہ کا تخت نشین القادر باللہ تھا۔ خلیفہ بغداد نے فتح سومنات کی خبر سے مسرور ہو کر محمود کے پاس ایک ''القاب نامہ'' بھیجا اور خراسان، ہندوستان اور نیمروز و خوارزم کا لوائے سلطنت بھی عطا کیا۔ اس نامہ میں خلیفہ محمود اور اس کے بیٹوں اور بھائیوں تک کو القاب عطا کئے تھے۔ چنانچہ سلطان کا لقب ''کہف الدولۃ والاسلام تھا۔

وفات:

ماہ ربیع الثانی ۴۲۱ھ میں سلطان محمود کا بعارضۂ اسہال وسوء مزاج انتقال ہوا۔ ۳۶۰ھ سال پیدائش ہے۔ اس حساب سے تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی۔ مدت حکومت ۳۵ سال ہے۔ غزنین کے قصر فیروز میں جسم کو سپرد زمین کیا گیا۔

دولت غزنویہ کا زوال:

سلطان محمود کے انتقال کے بعد دولت غزنویہ پر انحطاط وزوال کے اثرات طاری ہو گئے باپ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تخت وتاج کے لئے بھائیوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ آخر کار مسعود غالب آیا اور بھائی کو قتل کر کے خود تخت نشین ہوا۔ لیکن اسے بھی چین نصیب نہ ہوا۔ ایک طرف سلجوق ترک غزنین کا علاقہ ویران کر رہے تھے اور دوسری جانب طوائف الملوکی، ترکی اور ہندی غلاموں کی سرکشی نے اندرونی امن وامان کی فضا کو تاریک کر رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسعود کو معزول کر کے اس کے بھائی محمد کو تخت نشین کیا گیا اس کے بعد متعدد بادشاہ اور ہوئے جو سیاسی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ دولت غزنویہ کے اضمحلال کا ہندوستان پر یہ اثر ہوا کہ مختلف حکومتوں اور ریاستوں نے پھر اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ یہاں تک کہ نگر کوٹ بھی غزنوی گورنر پنجاب سے چھین لیا گیا۔

خاندان غور:

جس زمانہ میں دولت غزنویہ پر زوال طاری تھا۔ قندھار کے قریب غور میں اس کی ایک رقیب حکومت

نشو ونما پا رہی تھی۔ بارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ان دونوں میں یوں ہی آسان تھا کہ اس کو مزید قوت اس سے پہنچی کہ اس وقت قنوج' دہلی و اجمیر شمالی ہند میں راجپوتوں کی یہ دو مضبوط اور طاقت اور حکومتیں تھیں۔ قنوج کی حکومت جے چند کے قبضہ میں تھی اور دہلی و اجمیر کی سلطنت کا فرماں روا پرتھوی راج تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ان دونوں میں سخت پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور اس کا اثر یہ تھا کہ شمالی ہند کے اعیان و امراء میں سے کچھ لوگ جے چند کی حمایت کرتے تھے اور دوسرے لوگ پرتھوی راج کے ساتھی تھے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر غوری نے ۱۱۹۱ء میں بھٹنڈہ پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا۔ پرتھوی راج کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ تھانیسر سے چودہ سال کے فاصلہ پر دونوں میں معرکہ' کارزار گرم ہوا۔ لیکن راجپوتوں نے اس مردانگی اور بہادری سے جنگ لڑی کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ خود سلطان غوری بری طرح زخمی ہو کر اپنے گھوڑے سے گرنے لگا تھا کہ ایک جاں نثار غلام لپک کر گھوڑے پر جا بیٹھا اور گھوڑا اڑاتا ہوا اپنے آقا کو میدان جنگ سے صاف نکال بھاگا۔ زخموں کے اچھا ہو جانے کے بعد غوری غزنین آیا اور از سر نو حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ دو سال بعد اس نے پھر ہندوستان پر حملہ کیا۔

پرتھوی راج خود بھی بڑا بہادر تھا اور پھر جنگ میں آیا بھی تھا۔ بڑے تزک و احتشام اور ساز و سامان کے ساتھ لیکن بایں ہمہ غوری کو فتح ہوئی پرتھوی راج کا صف اول میں لڑتے ہوئے گرفتار ہونا تھا کہ پوری فوج میں بھگدڑ پڑ گئی اور آخر کار اجمیر تک کا علاقہ سلطان کے قبضہ میں آ گیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر غوری ہندوستان میں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنے نائب کی حیثیت سے چھوڑ کر غزنین واپس چلا گیا۔ ایک سال بعد قطب الدین نے دہلی بھی فتح کر لی۔

۱۱۹۴ء میں غوری نے شمالی ہند کی دوسری راجپوت حکومت یعنی قنوج پر حملہ کیا جے چند بڑی جگر داری اور بہادری سے لڑا۔ لیکن آخر کار شکست کھائی اور غوری اسے فتح کر کے افغانستان چلا گیا۔ بعد ازاں قطب الدین نے گجرات اور بختیار خلجی نے جو قنوج میں غوری کا نائب تھا۔ پہلے اودھ اور بہار اور پھر مغربی بنگال فتح کرلیا۔

اس میں شک نہیں کہ اب شہاب الدین غوری ہندوستان کے ایک بڑے حصہ پر قابض تھا۔ لیکن یہ فتوحات پے در پے اس سرعت کے ساتھ حاصل ہوئی تھیں کہ ان کا انتظام خاطر خواہ طریقہ پر نہ ہو سکتا تھا۔ جگہ جگہ بغاوت اور فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سب سے زیادہ زور شمالی ہندوستان میں تھا۔ جہاں ایک قوم کھوکر نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔

۱۲۰۶ء میں سلطان ان کی بغاوت فرو کرنے خود غور سے ہندوستان آیا۔ اس سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے دمیک نامی ایک مقام پر ایک اسماعیلی ملحد نے اس پر زور کا حملہ کیا کہ سلطان جاں بر نہ ہو سکا۔ ہمارے قدیم مورخین شہاب الدین غوری کی وفات کو اسلام اور مسلمانوں کا کتنا عظیم حادثہ قرار دیتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حاجی الدبیر جوز جانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کب ہو گی؟ ارشاد ہوا

"ستکون علی راس ستمائة وشی" " کچھ ادھر چھ سو برس بعد" اس کے بعد مورخ موصوف لکھتا ہے کہ غوری کی وفات بھی ۶۰۲ھ میں ہوئی تھی اس بنا پر اس کو قیامت کی پہلی علامت سمجھنا چاہیے اور چونکہ چنگیز خاں کے حملوں کا آغاز بھی اسی سنہ میں ہوا تھا۔ اس لئے یہ قیامت کی دوسری علامت ہے۔

بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ سلطان شہاب الدین غوری نہایت جری اور بہادر ہونے کے ساتھ بخیل بھی نہ تھا۔ بلکہ بے حد فیاض اور کشادہ دل بھی تھا۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

وکان رحمه الله شجاعا مقدا ماکثیر
علاوہ بریں وہ شریعت اسلام کے احکام
الغز و الی بلا د الهند عادلا فی
پر عمل کرتا اور ان کے مطابق ہی فیصلہ
رعیته حسن السیر ہ فیهم کرتا تھا

علماء سے اس کو بڑی عقیدت تھی۔ اکثر ان سے صحبت رکھتا اور دینی مسائل میں ان سے گفتگو کرتا تھا۔ امام فخر الدین رازیؒ سے اس کو بڑی ارادت تھی۔ امام صاحب خود محل شاہی میں تشریف لاتے اور وعظ کہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے دورانِ وعظ میں سلطان کو خطاب کر کے فرمایا" اے بادشاہ نہ تیری حکومت باقی رہے گی اور نہ رازی کی یہ تلبیس رہے گی اور ہم سب کو اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے" سلطان پر امام کے ان فقروں کا یہ اثر ہوا کہ بے ساختہ رونے لگا اور اتنا رویا کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا۔

سلطان کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ جسمانی یادگار کے طور پر صرف ایک لڑکی رکھتا تھا لیکن اس کو بڑا شوق یہ تھا کہ غلام خریدتا اور خاص طور پر ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں اس کے چالیس غلام ایسے تھے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہترین تربیت سے بہرہ مند تھے۔ سلطان انہیں کو اپنی جسمانی یادگار سمجھتا تھا۔ یہ سب کسی نہ کسی علاقہ کے حاکم یا گورنر تھے۔

سلطان غوری نے اپنے غلاموں کو اعلیٰ انتظامی اور فوجی قابلیت سے آراستہ کر کے ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا تھا جو اس کے بعد بھی ہندوستان میں حکومت وسلطنت کا کام بخوبی چلا سکتا تھا۔ چنانچہ غوری کے انتقال کے بعد جیسا کہ توقع تھی۔ سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے۔ اسی کشمکش میں قطب الدین ایبک نے جو دہلی کا گورنر تھا۔ اپنی خود مختار بادشاہی کا اعلان کر دیا۔

خاندانِ غلامان قطب الدین ایبک:

قطب الدین ایبک خاندانِ غلامان (از ۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء) کا بانی ہے۔ اس خاندان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قطب الدین خود غلام تھا اور اس کے بعد جو اس کے جانشین ہوئے۔ ان میں بھی اکثر و بیشتر وہی لوگ تھے جو اصلاً غلام تھے۔

قطب الدین ایبک نسلاً ترک تھا ایبک کے معنی شل ہونا ہیں چونکہ اس کا ایک ہاتھ شل تھا۔ اس لئے اسے ایبک کہتے تھے۔ جب اسے نیشاپور لایا گیا تو یہاں کے ایک قاضی القضاۃ فخر الدین عبدالعزیز الکوفی نے جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے خرید کر لیا اور اپنی اولاد کی طرح اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی۔ مکتب میں داخل ہو کر قطب الدین نے قرآن مجید، ضروری مسائل فقہ اور ادب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ایک شخص قاضی فخر الدین سے خرید کر اسے غزنین لایا اور

سلطان محمد غوری کے سامنے پیش کیا۔سلطان بڑا مردم شناس تھا۔اس نے جوہر قابل سمجھ کر قطب الدین کو خرید کر لیا اور پھر خود اپنے اہتمام سے اس کو فوجی اور انتظامی تعلیم و تربیت دی۔چنانچہ صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ "اگر چہ قطب الدین صورۃً خوب صورت نہ تھا۔تاہم اس کے اخلاق و عادات نہایت عمدہ تھے۔وہ بڑا شہ سوار، بہادر، عقل مند، فیاض و سخی، بزرگانہ خصائل کا مالک، درست کار اور راست باز انسان تھا۔لوگ عام طور پر اس کی مدح کرتے تھے۔

قطب الدین ۱۲۰۶ء میں دہلی میں تخت نشین ہوا۔بعد میں اس نے تاج الدین یلدز سے لاہور بھی چھین لیا اس سے فارغ ہو کر غزنین گیا۔چالیس روز مقیم رہ کر لاہور واپس آیا یہاں کے قیام کے دوران میں ایک دن پولو کھیل رہا تھا کہ گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہو گیا۔یہ واقعہ تخت نشینی کے چار سال بعد یعنی ۱۲۱۰ء میں پیش آیا لاہور میں ہی رسم تدفین عمل میں آئی جہاں بازار انارکلی کے عقب میں اس کا مزار اب تک حسرت وعبرت کا مرقع ہے۔

قطب الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا آرام شاہ تخت نشین ہوا۔لیکن یہ کمزور ہونے کے باعث اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ شمس الدین التمش جو اس وقت دہلی میں تھا اور قطب الدین کا داماد بھی تھا۔اس میں اور آرام شاہ میں دہلی کے آس پاس جنگ ہوئی اور آرام شاہ گرفتار ہو کر بدایوں بھیج دیا گیا۔

خاندانِ غلامان کی مدت حکومت کل ۸۴ سال ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے غلاموں کے لئے جو تعلیم و تربیت کے بہتر سے بہتر مواقع بہم پہنچائے ہیں اور مسلمانوں کو غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی جو تلقین کی ہے تاریخ اسلام میں اس کے جہاں اور بے شمار نظائر و امثال موجود ہیں۔ہندوستان کا خاندان غلامان بھی ان تعلیمات کی حقانیت و صداقت کا ایک زندہ ثبوت اور کھلی شہادت ہے۔قطب الدین خود جن اوصاف و شمائل کا انسان تھا۔اس کا تذکرہ ابھی گزر چکا ہے۔

سلطان شمس الدین التمش

آرام شاہ کے بعد قطب الدین کا آزاد کردہ غلام اور داماد شمس الدین التمش ۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا تو یہ بھی عجیب و غریب اوصاف و خصائص کا انسان تھا۔ایک طرف وہ نہایت مدبر، بیدار مغز اور بہترین سیاست داں اور بہادر تھا۔جس نے تخت نشین ہونے کے بعد پہلے سندھ اور بنگال کے باغی گورنروں کی سرکوبی کی۔پھر ہندوؤں کی ہمسایہ خود مختار ریاستوں کی طرف توجہ کی اور راجپوتانہ پر حملہ کیا۔رنتھمبور اور گوالیار کے قلعوں کی تسخیر کی۔مالوہ کا قدیم دارالسلطنت اُجین فتح کیا۔علاوہ بریں نظم و نسق اور ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ اس کو ہندوستان میں اسلامی خود مختار حکومت کا اولین موسس اور بانی کہا جاسکتا ہے۔

ان اوصاف کے ساتھ ہی دوسری جانب وہ نہایت عابد و زاہد، صوفی منش اور فقر پسند طبیعت کا مالک تھا۔چنانچہ خزائن الاصفیا کے مصنف کا بیان ہے۔

اگر چہ بظاہر تعلق بہ پادشاہی داشت لیکن از دل فقیر و فقیر دوست بود۔

فرائض و نوافل کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ ہو جانے کے بعد بڑے سے بڑے اہم سیاسی کاموں میں مصروف ہونے کے باوجود وہ نماز ترک نہ کرتا تھا۔

خلافت راشدہ کے بعد غالباً مشکل سے ہی کوئی

بادشاہ ایسا نکلے گا جو شمس الدین التمش کی طرح سجہ و شمشیر دونوں کے کمالات کا بیک وقت جامع ہو۔ بہترین مدبر اور سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کا صوفی اور صاحب معرفت و طریقت بھی ہو اس کی تلوار نے بڑی بڑی حریف طاقتوں کو شکست فاش دے کر ایک عظیم و وسیع سلطنت کی بنیادیں مستحکم کی ہوں، لیکن وہ خود درویشوں اور فقیروں کی خاک پا ہو، عظیم الشان طاقتیں اس کے قدموں پر اطاعت و بندگی کا سر جھکائے ہوئے ہوں لیکن وہ خود گوشہ نشین ارباب فقر کے پاؤں کو بوسہ دیتا ہو ۔رات کی تاریکیوں میں خانقاہ کے اندر جا کر خوف خدا اور فکر فردا سے روتا ہوا آہ و زاری کرتا ہو۔ سلطان کی پاکیزہ زندگی طہارت نفس اور ورع و تقویٰ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے کہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال ہوا اور آپ کا جنازہ غسل و کفن کے بعد باہر لایا گیا تو خواجہ ابو سعیدؒ نے کہا۔ حضرت خواجہ نے وصیت کی تھی کہ "میرے جنازہ کی نماز صرف وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی زنا نہ کیا ہو اور عصر کی سنتیں اور تکبیر اولیٰ ترک نہ کی ہوں" اس مجمع میں سلطان خود موجود تھا وہ انتظار کرتا رہا کہ حضرت خواجہ کی وصیت کے مطابق کوئی ایسے ہی بزرگ آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں سلطان کافی دیر تک انتظار کرتا رہا۔ لیکن آخر جب کسی شخص نے نماز جنازہ میں امامت کرنے کی جرأت نہ کی تو سلطان خود آگے بڑھا اور بولا" میں اپنی نمازوں کی تشہیر اور نمائش پسند نہیں کرتا لیکن حضرت خواجہ کی وصیت کی تعمیل بہرحال ضرور ہے" یہ کہہ کر سلطان نے نماز پڑھائی اور جنازہ کو کاندھا دیتا ہوا قبرستان لے گیا۔

حضرت خواجہ کی وفات کے چند مہینوں بعد (۶۳۳ھ) میں خود سلطان کا بھی انتقال ہو گیا۔

انہیں خصوصیات کے باعث سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس کے لئے بغداد کے دربار خلافت سے خلعت فاخرہ آیا اور ہندوستان پر جس کی حکومت کو تسلیم کیا گیا۔ طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین کا بیان ہے کہ سلطان کے لئے یہ دن بڑی مسرت اور جشن کا تھا اس نے جب یہ خلعت زیب تن کیا تو مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔ اس تقریب مسرت میں اس نے امراء کو خلعت تقسیم کئے اور شہر کی آئینہ بندی کرائی۔

جیسا کہ گزر چکا ہے سلطان نے ۶۳۳ھ میں وفات پائی اور دہلی کے پاس مسجد قوت الاسلام یعنی قطب صاحب کی لاٹ کے احاطہ میں سڑک کے کنارہ پر اس کا مزار عبرت گاہ خواص و عوام ہے۔

سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ جو باپ کے انتقال کے وقت حسن اتفاق سے دہلی میں موجود تھا۔ بادشاہ منتخب ہوا، لیکن یہ امور سلطنت کا اہل ثابت نہ ہو سکا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی عنانِ سلطنت اپنی ماں شاہ ترکان کے حوالہ کر دی اور خود دین و دنیا سے یک سر غافل و بے خبر ہو کر شب و روز داد عیش و طرب دینے لگا۔

شاہ ترکان ترکی کنیز اور حد درجہ کینہ پرور تھی۔ اس نے بیٹے کی غفلت اور اپنی خود مختاری سے فائدہ اٹھا کر التمش کی متعدد بیویوں کو ذلت و رسوائی سے قتل کرایا شمسی محلات کی بہت سی حسین خواتین اور کنیزیں اس کے ظلم کا نشانہ بن کر غربت و افلاس میں زندگی کے دن کاٹنے پر

مجبور ہو گئیں۔ التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا قطب الدین بھی اسی کے ایما سے مارا گیا۔ ان وجوہ کی بنا پر ملک میں رکن الدین کے خلاف عام بغاوت اور نفرت پھیل گئی۔ چنانچہ تخت نشینی سے چھ ماہ بعد ہی معزول کر کے قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ سلطان التمش کی بیٹی سلطان رضیہ کو تخت نشین کیا گیا۔

باغیوں کا قلع قمع کرنے اور سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر لینے کے بعد بعض اسباب وجوہ سے خود اس کے قابل اعتماد ترک امراء میں اس کی طرف سے جذبۂ بیزاری پیدا ہو گیا جس نے آخر کار شدید بغاوت اختیار کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساڑھے تین سال کی حکومت کے بعد اسے معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔

رضیہ سلطانہ کے بعد چھ سال کی مختصر مدت میں دہلی کے تخت پر دو بادشاہ بہرام شاہ اور علاء الدین بیٹھے لیکن یہ دونوں حد درجہ نالائق اور عشرت پسند تھے۔ چنانچہ بہرام شاہ دو سال ڈیڑھ مہینہ تک حکومت کر کے قتل ہوا اور علاء الدین چار سال اور ایک ماہ کی حکوت کے بعد گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ اسی حالت میں اس نے وفات پائی۔

اب تمام امراء کے اتفاق سے سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا۔ ناصر الدین محمود اخلاق و عادات اور مذاق طبیعت کے لحاظ سے سلطان شمس الدین التمش کا عکس تھا۔ مورخ فرشتہ کا بیان ہے۔

یہ بادشاہ شجاعت، عبادت اور سخاوت میں اپنے زمانہ میں بے مثل تھا۔ بادشاہ نے اپنے ذاتی مصارف کا بار کبھی شاہی خزانہ پر نہیں ڈالا اپنے ذاتی مصارف قرآن مجید کی کتابت کر کے پورے کرتا تھا۔

نظام الدین احمد مولف طبقات اکبری کا بیان ہے۔

سلطان ناصر الدین ہر سال دو قرآن شریف اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا اور ان ہی کا ہدیہ سلطان کے ذاتی خورد نوش میں صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو ایک امیر نے معمول سے زیادہ رقم دے کر ہدیہ لیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ آئندہ سے اس کے لکھے ہوئے نسخہائے قرآن مجید کو پوشیدہ طریقہ پر یعنی اس کا نام بتائے بغیر رائج الوقت پر ہدیہ کیا جائے۔ بادشاہ کے گھر میں اس کی بیوی کے سوا کوئی لونڈی یا خادمہ کام کرنے کو نہ تھی۔ ایک روز بیوی نے امور خانگی سے تنگ آ کر ایک لونڈی خریدنے کی فرمائش کی تو بادشاہ نے جواب دیا۔ ”بیت المال بندگان خدا کا حق ہے۔ میں اس کا مجاز نہیں ہوں کہ اس میں سے کچھ روپیہ لے کر اپنے ذاتی آرام کے لئے لونڈی خریدوں۔ دنیا کی تکلیفوں پر صبر کرو۔ خدا آخرت میں اس کا بدلہ دے گا۔

بدایونی کا بیان ہے وحکایات دیگر غریب کہ مشابہ احوال خلفائے راشد باشد از و نقل می کنند۔

سلطان کی طبیعت چونکہ عبادت اور گوشہ نشینی کی طرف زیادہ مائل تھی اس لئے اس نے سلطان شمس الدین التمش کے محبوب غلام (اور بقول فرشتہ داماد بھی) غیاث الدین بلبن کو خانِ اعظم الغ خان کا خطاب اور چتر و دور باش عطا کر کے عہدہ وزارت تفویض کر دیا اور سلطنت کے اہم امور میں اسی پر اعتماد کرنے لگا۔ وزیر سلطنت مقرر کرتے وقت اس نے بلبن سے کہا ”میں نے تمہیں اپنا نائب مقرر کیا ہے اور خلق خدا کی باگ تمہارے ہاتھ میں دی ہے۔ تم کوئی کام ایسا نہ کرنا کہ مجھے خدا کے سامنے جوابدہ اور شرمندہ ہونا پڑے۔ (تلخیص از ”سلاطین کا عروج و زوال“)



مختصر تاریخ کشمیر

کشمیر جنت نظیر، وادی گل پوش، جسکی تعریف میں قصائد لکھنے والوں نے صدہا صفحات رنگ ڈالے، دنیائے فارسی واردو کا کوئی شاعر اس وقت شاعر ہی تسلیم نہ ہوا جب تک اس نے کشمیر کی تعریف میں کچھ نہ کچھ خامہ فرسائی نہ کرلی۔

کشمیر جس نے صدہا اولیاء مفسرین ومحدثین کو جنم دیا جس کو امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبالؒ اور امام انقلاب مفتی صدر الدینؒ جیسی ہستیوں کی وطنیت کا شرف حاصل ہے۔

یہ سب کچھ ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ کشمیر دنیا کے ان چند ممالک میں سے ایک ہے جس میں اسلام صرف صوفیاء کرام اور علماء عظائم کی دعوت سے پھیلا ہے، کسی مسلمان بادشاہ کو کبھی دعوت اسلام کے لئے اس پر فوج کشی کا موقع نہیں ملا۔

حضرت بلبل شاہؒ کی آمد:

ویسے تو کشمیر میں ۸۰۰ء میں ہی بعض مسلمان تاجروں اور گم گشتہ نام صوفیاء کے ذریعہ خاموش طریقہ سے اسلام بڑی حد تک پھیلنا شروع ہوگیا تھا۔

لیکن ۱۲۹۵ میں راجہ چھمن دیو کے زمانہ میں اچانک ایک درویش خدامست حضرت شرف الدین عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہؒ دعوت اسلام کے لئے تبت کے راستے نوسو مریدین کے ساتھ وارد کشمیر ہوئے۔

حضرت نے سرینگر کے وسط میں امراء عوام اور مذہبی رہنماؤں کو جمع کر کے تعلیمات اسلام پر ایک روح

افزا وعظ فرمایا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسی مجلس میں سیکڑوں افراد کو دولت اسلام سے نواز دیا آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک عرصہ تک یہاں قیام فرمایا۔

راجہ رینچن کا قبول اسلام :

اس کے کچھ عرصہ بعد جب راجہ رام چندر کو معزول کر کے اس کا وزیر رینچن تخت شاہی پر قابض ہوا تو اس نے ایک شاہ میر نامی مسلمان سے ...... جو کچھ سال پہلے مضافات کابل سے یہاں آیا تھا اور راجہ سہودیو نے اس کی دیانت داری پر ایک گاؤں کا اس کو جاگیر دار بنا دیا تھا پھر راجہ رام چندر کے یہاں وہ ایک بڑے عہدے پر فائز تھا اور اب راجہ رینچن کے ارکان حکومت میں شمار ہوتا تھا۔ اور وہ زیر زمین اسلام کی نشر واشاعت کے لئے بہت کوشش کر رہا تھا...... تعلیمات اسلام پر سوال وجواب کئے، پنڈتوں کو بلا کر ان سے مباحثہ بھی کرایا اور جب اس پر نور اسلام واضح ہو گیا تو حضرت بلبل شاہؒ کے دست حق پرست پر اپنی بیوی کوٹارانی اور دیگر مصاحبین کے ہمراہ اسلام قبول کر لیا حضرت بلبل شاہ نے اس کا نام صدر الدین رکھا۔

اس طرح اس نے ۱۳۲۵ء میں اسلام قبول کر کے ۱۳۲۷ء تک انتہائی شان وشوکت کے ساتھ اسلامی، نہج پر حکومت کی۔

۱۳۲۷ء میں اس کی وفات پر کوٹارانی نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کے لڑکے حیدر کے بجائے ایک ہندو اودیان دیو کو حکومت پر قابض کر دیا۔

۱۳۳۹ء میں اس کی موت پر چھ ماہ تک کوٹارانی خود حکومت کرتی رہی۔ لیکن جب اس نے زمام حکومت اپنے بھائیوں کو دینی چاہی تو اس پر زبردست بغاوت پھیل گئی۔ اس وقت شاہ میر وزیر تھا اس نے اس بحرانی کیفیت سے نمٹتے ہوئے خود باگ ڈور سنبھال کر اپنا لقب شمس الدین رکھا اور ۳ سال پانچ ماہ عدل وانصاف کے ساتھ اسلامی پرچم لہراتا رہا۔

اسی تاریخ (۱۳۳۹ء یا بعض مورخین کے بقول ۱۳۴۳ء سے کشمیر پر اسلامی حکومت کا آغاز ہو گیا۔ شاہ میر (شمس الدین) نے سن بکرمی کو بدل کر سن ہجری کو رواج دیا اور اپنی زیادہ توجہ اشاعت اسلام پر مرکوز رکھی۔ اس کا دور کشمیر کی تاریخ میں نہایت تابناک دور ہے۔ اس تاریخ سے ۱۸۱۸ء تک کشمیر پر مسلمانوں نے انتہائی شان و شوکت اور عدل وانصاف سے حکومت کی۔

سلاطین کشمیر ایک نظر میں :

شاہ میر کے خاندان میں ۱۳۳۹ء سے ۱۵۶۱ء تک حکومت کی جس کے چند قابل ذکر سلاطین ہیں۔ جمشید بن شاہ میر، علاؤ الدین بن شاہ میر، شہاب الدین بن علاؤ الدین، اس کے دور میں کشمیر کی سرحدیں قدیم حیثیت سے بہت وسیع ہو کر تبت سے سرہند اور کابل سے نگر کوٹ تک پھیل گئی تھیں۔ اس کے دور میں مشہور ولی کامل امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کشمیر تشریف لائے۔ جن کے چار ماہ کے عرصہ قیام میں ہزاروں افراد کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔ حضرت ہمدانیؒ کے بعد آپ کے حکم سے سید حسین سمنانیؒ نے دعوت اسلام کے مشن کو جاری رکھا۔ قطب الدین بن علاؤ الدین انہیں کے دور میں سید ہمدانیؒ دوسری مرتبہ سات سو سادات کے ساتھ تشریف لائے اور چھ ماہ تک دعوت اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

سکندر بت شکن بن قطب الدین ...... ان کے

دور حکومت میں ہزاروں برہموں نے اسلام قبول کر کے خود اپنے مندر توڑ کر مساجد میں تبدیل کر دیئے۔ جس کی وجہ سے یہ ''سکندر بت شکن'' مشہور ہوئے۔ ان کے عہد میں سید میر محمد ہمدانیؒ ابن امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لائے اور بارہ سال تک قیام فرمایا۔

زین العابدین عرف بڈھ شاہ بن سکندر۔ کشمیر کی تاریخ میں ان سے زیادہ روشن کسی کا زمانہ نہیں سمجھا گیا۔ یہ علم تفسیر، حدیث و فقہ میں زبردست مہارت رکھتے تھے اور بے پناہ علم دوست تھے۔

۱۵۶۱ء میں شاہ میر کا خاندان خانہ جنگی کا شکار ہو گیا تو چک خاندان نے حکومت پر قبضہ کر لیا جو ۱۵۸۸ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان میں حسین شاہ لوہر شاہ اور یوسف شاہ قابل ذکر بادشاہ ہوئے ہیں۔

۱۵۸۰ء میں عوام نے بغاوت کر کے سید مبارک شاہ بیہقیؒ کو زبردستی تخت سلطنت پر متمکن کر دیا جو چھ سات ماہ حکومت کرتے رہے۔

۱۵۸۵ء میں اسی چک خاندان کا یعقوب شاہ حکمران تسلیم کیا گیا لیکن تھوڑے عرصے بعد ہی جلال الدین اکبر نے کشمیر پر فوج کشی کی اکبر کی جیت ہوئی اور پہلی مرتبہ کشمیر ہندوستان کی حکومت کا ایک صوبہ بن گیا۔ اسی تاریخ سے ۱۷۵۱ء تک کشمیر پر سلاطین کے بجائے مغلیہ حکومت کے صوبیدار حکومت کرتے رہے۔

۱۷۵۲ء میں مغلیہ بادشاہ احمد شاہ بن محمد شاہ کے صوبیدار قلی خان کو معزول کر کے ابوالقاسم نے کچھ دن تک خود مختار حکومت کی۔

۱۷۵۳ء میں احمد شاہ ابدالی نے ابوالقاسم کو ہٹا کر کشمیر کو دولت افاغنہ میں شامل کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۱۸ء تک حکومت افغانستان کے صوبیدار نظام حکومت چلاتے رہے۔

تاریخ میں ایک زبردست موڑ:

قیامت خیز افسانہ اور پردرد ہے غم میرا
نہ کھلواؤ زباں میری نہ اٹھواؤ قلم میرا

مذکورہ بیان سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ۱۳۳۹ء سے ۱۸۱۸ء تک کشمیر محض اور محض ایک اسلامی ریاست تھی۔ وہ خود مختار ہو یا صوبہ کی حیثیت میں اس کے حکمراں مسلمان تھے اور تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بات بھی ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امراء میں فسق و فجور رونما ہوا ہو یا نہ۔ بہرصورت کشمیر کی عدالت کا سرکاری قانون صرف اور صرف اسلام تھا۔ اور مسلمانوں کو ہر قسم کے اقتدار پر غلبہ تمام حاصل تھا۔ لہٰذا کشمیر پر کسی کافر کی فوج کشی اور حملہ آوری کا وہی حکم ہوگا جو کسی اسلامی ملک پر حملہ آوری کا ہوتا ہے۔

اہل علم حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ہر وہ خطہ زمین جس میں ایک دن بھی مسلمانوں کی حکومت بغلبہ تام رہ چکی ہو اگر اس پر کفار چڑھائی کر دیں تو اس مقام کے باشندوں پر اور بقدر ضرورت تمام عالم اسلام پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔

اس پر ہم تفصیل سے بحث چند صفحات کے بعد کریں گے۔ یہاں تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ کشمیر ایک اسلامی ملک تھا اگر اس پر کفار حملہ کر دیں تو اس کا وہی حکم ہوگا جو اس طرح کے خطہ کا ہوتا ہے۔

رنجیت سنگھ کا حملہ :

اورنگ زیب رحمہ اللہ علیہ کے بعد دہلی کی حکومت

چراغ مفلس بن گئی تھی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چہار سو شر پسندوں کو سر اٹھانے کا موقع مل گیا۔ اس دوران پنجاب کے زرخیز علاقہ میں سکھوں نے اپنی ایک مضبوط حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے حکمرانوں میں رنجیت سنگھ کافی مضبوط متعصب اور اسلام دشمن واقع ہوا ہے۔

رنجیت سنگھ نے دولت افاغنہ کے آخری صوبہ دار جبار خان کے درباریوں سے ساز باز کر کے ۱۸۱۹ء میں ایک زبردست لشکر کے ساتھ کٹھوعہ، جموں، راجوری اور پونچھ کو تخت و تاراج کرتے ہوئے وادی کشمیر پر فیصلہ کن حملہ کیا مسلمانوں نے جم کر اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن متحدہ قیادت نہ ہونے کی وجہ سے رنجیت سنگھ کی فوج جموں کشمیر پر قابض ہوگئی۔ آج کی تاریخ سے رنجیت سنگھ نے کشمیر میں لوٹ مار اور بربریت کی وہ تاریخ قائم کی جو انسانی تاریخ پر ایک بدنما داغ ہے۔

اس طرح ۴۹۴ سال خالص اسلامی ریاست رہنے کے بعد مسلمانوں پر اپنی بداعمالیوں کے سبب ایسا زوال آیا جس کی تلافی آج تک نہیں ہو سکی یاد رہے رنجیت سنگھ یہ وہی دشمن دین ہے جس کے خلاف سید احمد شہید بریلویؒ اور ان کے خلیفہ اجل مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اعلان جہاد کیا تھا۔

۱۸۱۹ء سے ۱۸۴۵ء تک رنجیت سنگھ، کھڑک سنگھ، رانی چندر کور شیر سنگھ اور دلیپ سنگھ نے حکومت کی۔

اس آخری دور میں سکھوں نے یکے بعد دیگرے تین مرتبہ بعد بعہد وفا انگریزوں سے جنگ کی اور ہر مرتبہ منہ کی کھائی۔ آخری بار کی شکست سے انگریزوں نے سکھوں پر باون لاکھ تاوان جنگ لازم لیا۔ دلیپ سنگھ میں اتنی بڑی رقم ادا کرنے کی ہمت نہیں تھی اس نے اس کے بدلے ہیرا کوہ نور اور ریاست جموں و کشمیر انگریز کے حوالے کر دی۔

کشمیر کی نیلامی :

انگریز کے لئے کشمیر میں حکمرانی کافی دشوار تھی وہاں سکھوں کے خلاف پہلے ہی مسلمان جہاد کی تیاریاں کر رہے تھے اس لئے اس نے ریاست کی نیلامی کا اعلان کر دیا جس کو جموں کے ایک جاگیر دار گلاب سنگھ بن کشتوڑا سنگھ ڈوگرہ (ہندو) نے ۷۵ لاکھ میں خرید لیا۔

یہ دنیا کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ انسانوں، جانوروں سمیت زمین کا سودا گھر بیٹھے ہو رہا تھا جس کا وکیل دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا علمبردار تھا یہ روپیہ اس وقت کی آبادی کے لحاظ سے ۲ روپیہ فی کس بھی نہ تھا جو بعد میں انہیں سے وصول کیا گیا۔

گلاب سنگھ نے تین مرتبہ قبضہ کے لیے فوج کشی کی مگر مسلمانان کشمیر نے تینوں مرتبہ اس کو شکست دی آخر گلاب سنگھ کی درخواست پر انگریزی سپہ سالار مسٹر لارنس نے زبردست لشکر کشی کے بعد قبضہ دلوایا۔

گلاب سنگھ کا باپ نہایت ہی مفلس کاشت کار تھا لیکن گلاب سنگھ نے رنجیت سنگھ کی پیادہ فوج میں بھرتی ہو کر کافی خدمت انجام دی جس کے صلہ میں رنجیت سنگھ نے اس کو جموں کا جاگیر دار بنا دیا تھا۔

گلاب سنگھ ۱۸۵۳ء تک حکومت کرتا رہا ۱۸۵۳ء میں اس کی موت پر اس کا بیٹا رنبیر سنگھ تخت نشین ہوا۔ ۱۸۸۵ء میں رنبیر کا بیٹا پرتاب سنگھ حکمراں بنا جس کے لاولد مرنے پر ۱۹۲۶ء میں اس کا بھتیجا ہری سنگھ راجہ تسلیم کر لیا گیا جو ۱۹۴۷ء تک رہا۔

اس درمیان انہوں نے ظلم و تشدد کے علاوہ

مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لیے بھی ہر ممکن کوشش کی اسلامی تعلیمات ہی نہیں آباء واجداد کی تاریخ سے بھی نوجوانوں کو دور رکھا۔ اس کی وجہ سے مسلمان ایک طرف سے تو احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے تو دوسری طرف سے اسلامی تہذیب وتمدن کی جگہ ہندوانہ رسوم نے لے لی۔

کفر کی تاریکیوں میں نور ایمان :

خدا کروڑوں رحمتیں نازل کرے ارواح مقدسہ پر کہ جنہوں نے اس تاریک ترین شبستان کفر میں بھی مسلم نوجوانوں کے قلوب کو نور اسلام سے منور رکھا۔ نجی مجالس، خانقاہوں اور خانگی مکاتب و مدارس سے اسلام کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔

اس ایمان ویقین کے ساتھ ساتھ جذبہ جہاد کی چنگاری بھی دلوں میں سلگاتے رہے جو موقع بموقع قائدین ملت کے اشاروں پر عملی سرحدوں سے ٹکراتی رہی ۔یہ تحریکیں اگرچہ اہل کشمیر کو کسی ساحل سے تو ہمکنار نہ کر سکیں تاہم جذبہ جہاد کو زندہ رکھنے میں ان کا بہت بڑا کردار ہے۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو مسلمانوں نے سرینگر شہر میں راجہ کے خلاف ایک زبردست جلوس نکالا جس پر پولیس فائرنگ سے ۲۱ نوجوان شہید اور صد ہا زخمی ہو گئے ۔۲، اکتوبر ۱۹۳۱ء کو پونچھ 'راجوری' ریاسی اور دیگر اضلاع جموں کے مسلمانوں نے مالیہ دینے سے انکار کر دیا اس بحرانی کیفیت سے گھبرا کر ۵ نومبر ۱۹۳۱ کو راجہ نے تمام ریاست انگریز کی امن فوج کے حوالہ کر دی۔

انہیں ایام میں مسلمانوں نے اپنی ایک جماعت مسلم کانفرنس کے نام پر بنائی جس میں پھوٹ ڈالنے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے ڈوگروں نے قادیانیوں کی آل انڈیا کشمیر کمیٹی نام کی جماعت تشکیل دے دی جس نے ملت فروشی کے علاوہ قادیانیت کی بھی خوب نشر واشاعت کی۔

۱۹۳۷ء میں شیخ عبداللہ نے آزاد خیال جدت پسند نوجوانوں کو جمع کر کے نیشنلسٹ نظریہ پر ایک جماعت نیشنل کانفرنس بنائی جو کشمیر میں اسلامی حکومت کے بجائے لادینی حکومت کی طلب گار تھی۔

۲۴ مئی ۱۹۴۶ء میں اس جماعت کے ایک سر کردہ لیڈر بخشی غلام محمد کی دعوت پر ہندوستان کے مکار برہمن پنڈت جواہر لال نہرو نے کشمیر کا دورہ کیا یہ کشمیر پر قبضہ کی پہلی مہم تھی اور یہی وہ سازش وعیاری والا دورہ تھا جس نے آزادی کی دہلیز پر کھڑے مسلمانان کشمیر کو ایک مرتبہ پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ گویا یاجوج ماجوج کی چاٹی ہوئی دیوار دوبارہ پر ہوگئی۔

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے ۔

مسئلہ الحاق اور اس کی حقیقت :

۱۹۴۰ء کے بعد راجہ کے خلاف ہونے والی بغاوت میں یک بیک بہت تیزی آچکی تھی لیکن ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان انگریز سے آزاد ہو گیا تو کشمیر میں چلنے والی تحریک نے بھی منظم طریقہ سے شدت اختیار کر لی۔ زیریز میں جہاد کی تیاریاں مکمل ہو جانے پر اس کا نقشہ بنا۔

اول گلگت بلتستان اور چلاس وغیرہ کے علاقوں میں مسلح جنگ ہوئی اور چند دنوں میں ان تمام علاقوں سے ڈوگروں کو مار بھگایا گیا۔

پھر ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء بارہ مولہ، مظفر آباد، میر پور

کوٹلی، پونچھ۔ راجوری کے مسلمانوں نے اعلان جہاد کر دیا جو ایک سیلاب بن کر آگے بڑھنے لگا۔ مسلمانوں کے پاس کوئی خاص اسلحہ نہیں تھا۔ بس خدا کی مدد تھی۔ ڈوگرہ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ہزاروں کی تعداد میں ماری گئی اور بقیہ جموں کی طرف فرار ہوگئی۔

تمام شہر ڈوگرہ فوج سے خالی ہو گئے حتیٰ کہ خود راجہ بھی سرینگر راجدھانی سے بھاگ کر جموں آ گیا۔

راجه کا دهلی دربار سے رابطه :

اس شکست خوردگی کے عالم میں راجہ نے بدحواس ہو کر دہلی دربار سے رابطہ قائم کیا اپنی بے بسی بیچارگی اور ذلت کی داستان سنائی۔

بھارت کا اس وقت وزیر اعظم مسٹر نہرو تھا جس کا آبائی وطن کشمیر تھا اسلئے اس کو کشمیر کے معاملات سے خاص دلچسپی تھی اور انتہائی مکار و عیار ہونے کے علاوہ زبردست دشمن دین تھا اس لئے اس نے بہت جلد راجہ سے خفیہ معاہدات کئے۔

راجہ ہری سنگھ نے صرف یہ مطالبہ کیا کہ اگر آئندہ حکومت میں میرے بیٹے کرن سنگھ کو کوئی عہدہ دے دیا جائے تو میں کاغذی طور پر اپنی تمام ریاست بھارت کے ساتھ ملحق کر دیتا ہوں البتہ قبضہ کرنا بھارت کا کام ہے۔

اس خفیہ معاہدہ کے بعد رسمی طور پر راجہ نے مسٹر نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک ریضہ برائے الحاق ارسال کیا۔

"میں اس وقت انتہائی پریشانی کے عالم میں ہوں بغاوت کا سیلاب جموں و سرینگر کی دیواروں سے ٹکرا رہا ہے۔ سرحدی قبائل پوری ریاست اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ میری ریاست بچانا پسند کرتے ہیں تو بر وقت میری مدد کیجئے۔ اس کے لئے عارضی الحاق کے لئے کاغذات الحاق بھی بھیج رہا ہوں"

اس طرح ڈوگروں نے جس کشمیر پر ۷۵ لاکھ کے بدلے قبضہ کیا تھا اس کو اس وقت جب خود ان کی گرفت کلیتہً ریاست سے ختم ہو چکی تھی۔ چند سکوں کے عوض بھارت کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور یہی وہ الحاق ہے جس سے کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ بن گیا۔

یہ کیسا الحاق؟ ایک ایسے شخص کے دستخط سے جو خود غاصب تھا اور اب اس کا اہل کشمیر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

بگڑتی ہے جب ظالم کی نیت
نہیں کام آتی دلیل اور حجت

شیخ عبدالله کی رهائی :

چونکہ یہ ایک واضح حقیقت تھی کہ جس شخص کی حکومت ہی نہیں اس کا الحاق چہ معنی؟ نیز بھارتی فوج کو کس دلیل سے کشمیر میں داخل کیا جائے۔ اس کے لئے اسی سازش کے تحت کچھ دن قبل شیخ عبداللہ کو...... جو جیل میں بند تھا ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو رہا کیا گیا تھا۔

شیخ عبداللہ کو مسٹر نہرو نے سبز باغ دکھائے کہ اگر کشمیر الگ ملکیت بن گئی یا پاکستان کے ساتھ ملحق ہو گئی تو تم وزیر اعظم نہ بن سکو گے۔ مسلم کانفرنس والے اور دیگر مسلمان تمہارے مخالف ہیں۔ لہٰذا اگر تم یہاں کچھ اقتدار چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی شکل ہے کہ تم الگ رہو ہم فوج تمہاری مدد کے لئے بھیج دیں گے تاکہ تمہیں یہاں غلبہ حاصل ہو جائے۔ میرا وطن چونکہ کشمیر ہے اس لئے میں اس سے ثقافتی تہذیبی تعلق برقرار رکھنا چاہتا ہوں ورنہ تم آزاد ہو صدر وزیر اعظم سب تمہارا ہوگا۔

شیخ عبداللہ کو یہ تقریر بہت بھلی معلوم ہوئی اور صرف اپنے اقتدار کے لئے خدا کے غدار برہمن کو اپنا وفادار سمجھ کر ۷۵ لاکھ ملت اسلامیہ کا سودا کر دیا۔ بہر حال اس طرح شیخ عبداللہ اور اس کی پارٹی نے اس بات کی حمایت کر دی کہ سردست افراتفری کے ماحول کو ختم کرنے کے لئے بھارت اپنی فوج بھیج دے۔

چنانچہ اسی الحاق اور شیخ کی حمایت کو دلیل بنا کر بھارت نے اپنی فوج کشمیر میں داخل کر دی۔ شیخ عبداللہ کی اس وقت کوئی خاص حیثیت نہ تھی اہل کشمیر کی اکثریت اس الحاق کے مخالف تھی جنہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مولانا یوسف شاہ صاحبؒ چوہدری غلام عباس صاحبؒ اور اللہ رکھا ساگر کو اسی جرم میں بھارت نے بعد میں ملک بدر کر دیا مولانا یوسف شاہ صاحبؒ پیدل چل کر مظفر آباد پہنچے اور ساری زندگی غریب الوطنی میں گزاری۔

بھارتی درندے کشمیر میں :

بہر حال اس کے فوراً بعد بھارت نے فوج کی بڑی مقدار کشمیر میں اتار دی۔ مسلمان چونکہ مخالف تھے اس لئے پہلے انہیں خاموش کرنا ضروری تھا چنانچہ فوج نے پنجاب کے بلوائیوں، فوج اور دیگر ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر قبضہ کرنا شروع کیا۔ اور پہلے ان علاقوں سے جہاں مسلمان نسبتہً کم تھے ان کا صفایا ضروری سمجھا۔

چنانچہ ضلع کٹھوعہ کو بالکل مسلمانوں سے خالی کر دیا شہر جموں میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان قتل کر دیے۔ ضلع اودھم پور میں خون کے دریا بہائے۔ ضلع ریاسی جو ایک عرصہ سے ریاست ریاسی یا ضلع کے نام سے مشہور تھی۔ قلت افراد کی وجہ سے ایک قصبہ بھی نہ رہ سکی حتیٰ کہ آج بھی ضلع اودھم پور کی تحصیل ہے۔ راجوری، پونچھ اور بارہ مولہ کے بعض علاقوں میں بھی ایسے ہی خون مسلم سے ہولی کھیلی گئی۔ راجوری کے دیہاتوں میں صد ہا مسلمانوں کی زندہ کھال اتاری گئی۔ اس عظیم خون ریزی میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان شہید اور ہزاروں کی تعداد میں پاکستان ہجرت کر جانے پر مجبور ہو گئے جو آج بھی پاکستان میں موجود ہیں۔

اس داستان خون آشام کو سن کر مظفر آباد، پونچھ، کوٹلی اور گلگت وغیرہ کے مسلمان منظم ہو گئے آزاد قبائل نے بھی ان کا ساتھ دیا اور کسی قدر پاکستان نے بھی مدد کی۔

ان مجاہدین نے پونچھ، راجوری اور بارہ مولہ وغیرہ علاقوں میں بھارتی فوج کو روک دیا زبردست جنگ ہوئی مگر بھارت کے سامنے اب کٹھوعہ، جموں اور اودھم پور کے نہتے مسلمان نہیں تھے اب بزدل ہندو کا سابقہ صدیوں کے بعد مسلمانوں سے پڑ رہا تھا چنانچہ بھارت ہزاروں جانیں گنوا کر ابھی ایک انچ زمین کیا حاصل کرتا دن بدن پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک ایک دن میں سینکڑوں نہیں ہزاروں لاشیں دہلی پہنچنے لگیں۔

مسئلہ کشمیر۔یو۔این۔او۔میں :

اس صورت حال سے بوکھلا کر بدحواسی کے عالم میں بھارت نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پاکستان کے خلاف یہ مقدمہ دائر کیا کہ ریاست جموں و کشمیر کا بھارت سے الحاق ہو چکا ہے پاکستان بیجا مداخلت کر رہا ہے اور بھارت کو قبضہ نہیں کرنے دے رہا ہے۔

پاکستان نے اس کو جواب یہ دیا کہ راجہ کی حکومت ختم ہو چکی تھی اس لئے اس کا الحاق معتبر نہیں اور موجودہ جنگ پاکستان کی فوج سے نہیں بلکہ کشمیر کی عوام سے

ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے عوام سے اس کی رائے معلوم کرلی جائے۔

یو۔این۔او۔ بھارت کے حق میں فیصلہ کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ دنیا کو خاموش کرنے کے لئے بھارت کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔اس لئے بادل نخواستہ۔یو۔این ۔او۔نے یہ فیصلہ کیا کہ بھارت اپنی زیادہ فوج واپس بلا کر اندرونی معاملات اہل کشمیر کے حوالہ کردے تاہم جتنے علاقہ پر قبضہ کر چکا ہے اتنے پر عارضی کنٹرول رکھے اور بقیہ پر پاکستان۔اس کے بعد چھ ماہ کے اندر اندر اقوام متحدہ استصواب رائے کرائے گا کہ اہل کشمیر کیا چاہتے ہیں جس طرف اکثریت ہوگی اس کی رائے کا احترام کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ ۱۹۴۸ء کو کیا گیا مگر یہ ایک بہت بڑی مکاری اور چال تھی۔

یو۔ این ۔او ۔کی منافقت :

یو۔این۔او۔ اقوام عالم کی کوئی متحدہ انجمن نہیں ہے بلکہ یورپین ممالک کی شاطر قوموں کی سازش کمیٹی ہے۔جس کو سیاسی قوت کی بناء پر کمزور ممالک پر مسلط کر دیا گیا ہے۔جو بیچارے خواہی نخواہی اس کے بندھنوں میں جکڑ گئے ہیں۔اس کا مقصد دیگر قوموں پر برتری حاصل کرنے کے علاوہ بنیادی طور پر یہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح محکوم اور غلام رکھا جائے ۔انہیں مجبور محض بنایا جائے اس لئے کہ انہیں ماضی میں اگر کسی نے سبق سکھایا ہے تو وہ مسلمان ہی تھا اور مستقبل میں بھی بحیثیت جماعت اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ مسلمان ہی سے ہے۔ان کی یہ اسلام دشمنی حالیہ واقعہ خلیج سے بھی عیاں ہے۔

فیصلہ کشمیر بھی انہیں سیاسی چالوں کی ایک کڑی تھا۔کہ اگر پورے کشمیر پر بھارت کا قبضہ نہیں ہوسکتا تو کم از کم جتنے علاقہ پر بھارت قبضہ کر چکا ہے اس پر اس کے قدم جمادیئے جائیں۔اور غیر محسوس طریقہ سے مسلمانان کشمیر کو از سر نو غلام بنادیا جائے۔

چنانچہ آج اس کی یہ مکاری وغداری طشت از بام ہے ٹال مٹول کرتے کرتے ۱۹۴۸ء سے آج ۲۰۰۹ء ہو چکا ہے مگر نہ چھ ماہ پورے ہوئے اور نہ ہی یو۔این ۔او۔نے رائے شماری کروائی۔

جو لوگ آج بھی اقوام متحدہ کی دم تھامے ہوئے ہیں انہیں عقل کے ناخن لینے چاہیے۔خالص الاعتقاد مسلمانوں نے اپنے معاملات کا فیصلہ نہ ہی کبھی کافروں سے کروایا اور نہ کافروں پر بھروسہ کیا امت مسلمہ کے مسائل کا حل صرف قرآن وحدیث میں ہے۔

ایک بے داغ حقیقت :

یہ ہے مسئلہ الحاق اور اس کا پس وپیش منظر لیکن یہاں رک کر ہمیں ایک بے داغ حقیقت پر غور کرنا چاہیے۔

بھارت کے دعوائے الحاق میں اگر کچھ بھی صداقت تھی تو اس کو اقوام متحدہ میں شکست فاش کیوں ہوئی ؟...... اور جب بھارت نے اقوام متحدہ میں عدم الحاق کو تسلیم کرلیا تھا اور اپنے ناجائز قبضہ کا اعتراف بھی کر لیا تھا تو پھر کشمیر اس کا اٹوٹ انگ کیسے بن گیا؟......اور اگر کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ بن گیا تھا تو ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۰ء تک بھارت کا ہر لیڈر چلا چلا کر یہ کیسے کہتا رہا کہ ہم رائے شماری کے مخالف نہیں کشمیری جب چاہیں بھارت سے الگ ہوسکتے ہیں؟ اگر یہ سب کچھ سچ تھا تو تم نے رائے شماری کیوں نہیں ہونے دی؟ اور جس اقوام متحدہ

میں تم خود گئے تھے اس کے فیصلہ استصواب رائے کے آج تم مخالف کیوں ہو؟ بالفرض والمحال اگر اہل کشمیر نے اپنا ملک بھارت کو دے دیا تھا تو بھارت نے پورے صوبہ جموں کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کیوں کیا؟ کیا یہ احسان کا بدلہ تھا؟۔

اے دنیا کے انصاف پسندو! غور کرو! یہ ہے برہمن کی مکاری اور غداری حقیقت یہ ہے کہ بھارت ان تمام وعدوں سے دھوکہ دے کر صرف یہ چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ فوج کے قدم جم جائیں۔ جب تک فوج کی گرفت کمزور تھی تو صدارت ووزارت عظمٰی کی کرسی بھی اہل کشمیر کے پاس تھی اور جب فوج کا کنٹرول مضبوط ہو گیا تو وہ تو کھسک گئی تاہم ابھی مزید مضبوطی کے لئے دفعہ ۳۷۰ کی پونچھ لگا دی گئی اور جب دیکھا کہ اب آواز لگانے والا کوئی نہیں تو اس کو توڑنے کی بات بھی ہونے لگ گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے بھارت کے ان وعدوں پر کان لگائے انہوں نے تاریخی حقائق کو فراموش کیا تاریخ شاہد ہے کہ ہندو کو کبھی تلوار کی زبان کے علاوہ کوئی بولی سمجھ میں آئی ہی نہیں۔ لاتوں کے بھوت کبھی باتوں سے مانے ہی نہیں (کل تک بھارت یہ کہتا تھا کہ جو ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے کی بات کرے گا بھون دیا جائے گا مگر آج جب کھوپڑی پر دو چار جوتے لگے ہیں تو ہاتھ جوڑے کھڑا ہے کہ ۵۳ء کی پوزیشن بحال کر کے مسئلہ سلجھا لو۔ ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب بھارت سب کچھ دے کر زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو گا)

شیخ عبداللہ کا بد ترین انجام:

جنگ بندی ۱۹۴۸ء کے بعد کیا ہوا، شیخ عبداللہ نے کیا گل کھلائے۔ اس کے آقاؤں نے اس پر کتنے انعامات کئے وہ ایک داستان پارینہ ہے، جس کی تفصیل تو غیر ضروری ہے تاہم اجمالی تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں۔

کشمیر پر قبضہ کے بعد بھارت نے شیخ عبداللہ کے ساتھ کئے گئے تمام معاہدات کو توڑ ڈالا۔ اس کے سبز باغ بھی خشک ہو گئے۔ عہد و پیان کی دھجیاں اڑ گئیں تاہم دو سال تک تو شیخ بس حسن عقیدت کے پھول ہی نچھاور کرتا رہا۔ مگر ۱۹۵۳ء میں جب برہمن کی غداری اور اپنی غلامی کا احساس ہوا تو ہاتھ پیر مارنے لگا لیکن اب چڑیا کھیت چگ چکی تھی۔

خیر۔ بھاگ دوڑ کر باہر کے ممالک سے رابطہ قائم کیا۔ اور اس طویل مکاری کی داستان تیار کر کے غیر ممالک کے دورہ کا پلان بنایا۔ شیخ یہ چاہتا تھا کہ باہر سے کچھ تعاون حاصل ہو تو بغاوت کر دی جائے۔

بھارت کو اس کا علم ہو گیا چنانچہ گھر سے باہر قدم رکھتے ہی وزیر اعظم صاحب کو اپنی ہی پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اور ۱۹ اگست ۱۹۵۳ء بھارت نے اپنے اس عظیم محسن کو مع رفقاء پس دیوار زنداں بھیج دیا۔

۱۸ / جنوری ۱۹۵۸ء میں بڑی سفارشوں سے رہائی ملی لیکن مارچ ۱۹۵۸ء کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔

۱۸/ اپریل ۱۹۶۴ء کو کافی مشکلات کے بعد رہا کیا گیا تو مارچ ۱۹۶۵ء میں شیخ نے کسی طرح حج کا ویزا حاصل کر کے دوبارہ بیرونی ممالک کے دورہ کا پلان بنایا جس میں مصر اور سوڈان کے رہنماؤں کے علاوہ چین کے وزیر خارجہ سے بھی ملاقات کی۔ لیکن اس تمام کی اطلاع بھی دہلی حکومت کو مل گئی۔ چنانچہ ابھی شیخ حج سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کو مکہ مکرمہ میں ہی اپنے محسن بھارت کا حکم ملا کہ اگر فلاں تاریخ تک یہاں نہ پہنچے تو

تمہارا پاسپورٹ کینسل کر دیا جائے گا۔

شیخ عبداللہ یورپ فرار ہو جانا چاہتا تھا لیکن بعض دوستوں کے مشورہ سے واپسی کا قصد کیا۔ تو ۷ مئی ۱۹۶۵ء علی الصباح دہلی کے پالم ہوائی اڈہ پر گرفتار کر لیا گیا۔ جو ۱۹۷۵ء تک محسنوں کی کال کوٹھڑیوں میں ہوا کھاتا رہا۔

آخر ۱۹۷۵ء میں اندرا گاندھی نے اس کو پھر اپنے شیریں کلام سے مسحور کرنا شروع کیا۔ شیخ سے کہا گیا کہ اگر تم ریاست کی علیحدگی کا مطالبہ چھوڑ دو تو تمہیں وزیر اعلیٰ کی کرسی دے دی جائے گی۔

شیخ عبداللہ بھی اب اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ کرسی کے علاوہ کسی چیز پر بیٹھنا بھی بہت دشوار تھا اور نہ اسے اس کرسی کے علاوہ کسی چیز کی تمنا رہی تھی۔ چنانچہ اس غدار قوم غدار ملت نے یہ سب کچھ مان لیا جس پر میڈم نے میر قاسم کو وزارت سے علیحدہ کر کے شیخ کو کرسی مرحمت فرما دی۔

یہ بھی دنیا کی تاریخ میں ایک انوکھا واقعہ تھا کہ ایک شخص کو جیل کی سلاخوں سے نکال کر اس کی آزادی کے بدلے پوری قوم کو گروی رکھ دیا گیا۔ فیاللعجب۔

ایک چبھتا ہوا خاموش سوال :

قارئین کرام! آپ نے شیخ کے گناہ اس کی سزاء، توبہ اور پھر مقبولیت کا حال سنا آج بھارت اس کو اپنا محسن اعظم بتاتا ہے اور یقیناً وہ ان کا محسن تھا لیکن سوال یہ ہے کہ شیخ عبداللہ ان کا سب سے بڑا وفادار تھا تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟ کیا محسنوں کے احسان کا بدلہ گرفتاری اور جیل ہی ہے؟ کیا ہندو اپنے وعدوں کو ایسے ہی پورا کیا کرتے ہیں؟ کیا اس نے ماضی میں اپنے دوست کے ساتھ بھی کئے ہوئے کسی وعدے کو پورا کیا؟ پھر ہم تو اس کے دشمن ٹھہرے! کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب اس کو اس ملک پر اقتدار حاصل تھا تو اس نے اپنے ہی ہم مذہب ہریجنوں کو جانور اور ملیچھ کہا تھا؟ کیا یہ نظریہ نہیں پیش کیا تھا کہ بھگوان نے ان کو صرف ہماری خدمت کے لئے اپنی چرنوں سے پیدا کیا ہے؟ جب یہ سب حق ہے تو کس امید پر ہم بھارت سے گفتگو کریں؟ مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کافی ہے کہ مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔

دیگر ملت فروشوں کا حال :

یہی سلوک بھارت نے اپنے دیگر محسنوں، ملت فروشوں (وزراء کشمیر) کے ساتھ کیا شیخ عبداللہ کے بعد بخشی غلام محمد کو خرید کر اس سے کافی خدمات لیں لیکن جب اس کا قبلہ بدلتا ہوا نظر آیا تو اس کو بھی جیل کی ہوا لگائی گئی۔ جس کے لئے میر قاسم نے لکھا ہے کہ۔ بخشی صاحب جیل میں ہی مرنے والے تھے میں نے بڑی مشکل سے بدنامی سے بچنے کیلئے رہا کروائے لیکن پھر وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکے۔

۱۹۸۴ء میں شیخ عبداللہ کو از سر نو قوم پر تھوپنے کے لئے میر قاسم کو ڈنڈے لگا کر اسمبلی سے باہر کر دیا۔ مگر آج دن تک اس کو اس کے جرم سے بھی آگاہ نہیں کیا گیا۔

جولائی ۱۹۸۴ء شیخ کے بیٹے فاروق عبداللہ کا تختہ الٹ کر جی۔ ایم شاہ کو کشمیریوں پر مسلط کر دیا مگر جب فاروق نے ہزاروں سجود سہو کر ڈالے تو جی۔ ایم شاہ کو کھسکا کر پھر اسی کو کرسی عنایت فرما دی گئی۔ جو بے حیا اب بھی کرسی کے لے اپنے آقاؤں کے تلوے چل رہا ہے۔

(تلخیص از "تحریک کشمیر کی شرعی نوعیت ")